

تفصیلات

جملہ حقوق برائے مؤلف و دارالقلم محفوظ

کتاب	آفتاب و ماہتاب
تالیف	پیس اختر مصباحی
طبع اول	ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ / ستمبر ۲۰۱۳ء
زیر اہتمام	دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵
صفحات	ایک سو اٹھائیس (128)
قیمت	چالیس روپے (40/-)
تعداد اشاعت	پانچ ہزار

طابع و ناشر

مکتبہ الوبیہ۔ خانقاہ قادریہ الوبیہ۔ رضا نگر، پیرانک۔ ضلع کوئی نگر
(انڈیا) - 274401 - اتر پردیش

آفتاب و ماہتاب

امام احمد رضا مفتی اعظم قدس سرہما

تالیف

پیس اختر مصباحی

بانی و صدر دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی
بانی رکن الجمع الاسلامی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

طابع و ناشر

خانقاہ قادریہ الوبیہ۔ رضا نگر، پیرانک۔ ضلع کوئی نگر
(انڈیا) - 274401 - اتر پردیش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انوار تجلیات

تیرہویں صدی ہجری کے نصف آخر اور چودھویں صدی ہجری کے نصف اول میں متحدہ ہندوستان کی اکابر و عاظم دینی و علمی شخصیات کے درمیان سرزمین بریلی (روہیل کھنڈ) کی عظیم جلیل شخصیت جو رہنما و قرائن و آثار ہیں اور جس کا شہرہ آج ہندوپاک کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے مختلف ایشیائی ممالک کے علاوہ افریقہ و یورپ و امریکہ و آسٹریلیا کے بلا و امصار تک جا پہنچا ہے اس کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں پر ایک طرف دینی و سرگاہوں و خانقاہوں و اداروں کے علما و مشائخ و اساتذہ و طلبہ نے بے شمار مضامین و مقالات اور کتب و رسائل لکھ کر اپنی عقیدت و تحسین کا خراج پیش کیا ہے تو دوسری طرف عصر جدید کے دانشوروں و اسکالروں نے ہندوپاک و بنگلہ دیش کی متعدد یونیورسٹیوں کے ذریعہ اپنے مقالات تحقیق (پی ایچ ڈی، ایم اے) کی قطار لگا کر دنیا جہاں کو اس کے ہمہ جہت کمالات و خصائص کی طرف متوجہ کیا ہے۔

جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر سے کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ تک میں یہ تحقیقاتی مقالات لکھے اور منظور کیے جانے لگے ہیں۔ جن میں پی ایچ ڈی کی تعداد تقریباً تیس (۳۰) اور ایم اے کی تعداد تقریباً ایک درجن ہے۔

یہ بین الاقوامی اعزاز، میرے علم و اطلاع کے مطابق ہندوپاک کی کسی دوسری شخصیت کو حاصل نہیں ہے۔ نہ کسی کے علم و فن کا دائرہ اتنا وسیع نہ کسی کا اثر و نفوذ اتنا ہمہ گیر نہ ہی متحدہ ہند کی صدی و صدی کی کسی شخصیت اور اس کے اہل عقیدت و اخلاص کا ایسا عالم گیر حلقہ اور شہرت و قبول عام ہے۔ جو محض توفیق و فضل الہی ہے۔ وَذَٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

یہ عظیم جلیل شخصیت مجتہد اسلام بھی ہے اور فقیہ اسلام بھی۔ حقائق انہدی بھی ہے اور عاشق رسول بھی۔ شیخ الاسلام بھی ہے اور عبقری الشریعہ بھی، نمونہ اسلاف بھی ہے اور خیر اخلاف بھی۔

غرض ایک کامل ترین عالم دین و شیخ طریقت کی جملہ صفات و کمالات و محاسن و محامد کی جامع یہ گرامی قدر شخصیت تھی جس نے صرف اپنے عہد و عصر ہی کو نہیں بلکہ عصر حاضر کے علما و مشائخ عظام اور دانشوران قوم و ملت کو بھی اپنی خدمات جلیلہ و آخر عالمیہ و کمالات و ہدیہ کا مہترف و مدد ار بنا رکھا ہے۔ جس کا سلسلہ صدیوں تک باقی اور جاری رہے گا۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی۔

یہ شخصیت اور یہ ذات گرامی، امام اہل سنت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خان قادری برکاتی بریلی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) قدس مسوٰہ کی ہے۔ جن کا علم و فضل، جن کا تبحر و تفقہ، جن کی بصیرت و استقامت بے نظیر و بے مثال اور جن کا عشق و عرفان آج سو ادا عظم اہل سنت و جماعت کا نشان امتیاز و ترغیر افتخار بن چکا ہے۔

اسی طرح آپ کے خلف اصغر، سیدی و مرشدی مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلی (وصال ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء) بھی اپنے علم و فضل، زہد و ورع اور اتباع سنت و شریعت کے ہر باب میں اپنے عہد و عصر میں ممتاز و فائق الاقران تھے۔ مروج علما و فقہا تھے۔ لاکھوں اہل بیعت و ارادت آپ کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔ خلق خدا کا آپ کی طرف رجحان عام تھا۔

امام احمد رضا اور مفتی اعظم علیہما الرحمۃ والرضوان، متحدہ ہندوستان کے آفاق سے ابھرنے والے وہ آفتاب و ماہتاب تھے جن کے انوار و تجلیات سے ایک عالم جگمگا اٹھا اور دلوں کی دنیا روشن و منور ہو گئی۔

یہ دونوں شخصیتیں، وارث و حامل دامن تھیں مذہب و مسلک اکابر و اسلاف سو ادا عظم اہل سنت و جماعت کی اور داعی و مبلغ و ترجمان تھیں کتاب و سنت کی ہدایات و ارشادات و تعلیمات کی۔ جن کے فیض و برکت سے متحدہ ہندوستان کی دینی و علمی فضا و ماحول میں ایک ایسا صالح فکری و مذہبی انقلاب برپا ہوا جس کے واضح اثرات آج بھی اس کے ہر گوشہ و ہر گوشہ ہر آدمی میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔

ان کی زندگی کا گوشہ گوشہ پر نور تھا اور ہر زاویہ حیات میں اکابر صوفیہ و مشائخ عظام و علما و فقہا کے کرام کا مجلس جمیل تھا جس کی طرف پاکیزہ قلوب و ارواح کا خود بخود میلان ہوتا تھا اور اس عکس تاباں کے اندر ان کی کشش کا سامان صمد ہزار و موجود ہوا کرتا تھا۔

نہ فرق تانبہ قدم نہ کجا کہ می گمرم
کر شہد دامن دل می کشد کی جالیں جاست

أَعِزُّ ذِكْرُ نِعْمَانٍ لَّسَالٍ إِنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ الْمُسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوُّ

اسی سلسلہ ذکر و بیان کی مبارک و مسعود کڑی، زیر نظر کتاب ہے۔ اور عظیم الشان بیان نے اپنے مشاہیر اکابر و اسلاف کی قابل تقلید و الاتق اتباع حیات و خدمات کو پیش کرنے اور جلد ہی انھیں علمی و تحقیقی طور پر مظہر عام پر لانے کا پروگرام ان منصوبوں کی شکل میں ہے:

(۱) خانقاہ قادریہ الوبیہ و تحریک اہل سُنّت، رضا نگر، پیر اکنگ ضلع کوٹی نگر، مشرقی اتر پردیش (انڈیا) کی طرف سے رجب ۱۴۳۵ھ یعنی ۲۰۱۴ء میں امام احمد رضا سمینا روکافرنس، کابمئی میں انعقاد ہو رہا ہے۔

(۲) صد سالہ یوم وصالِ رضا (۱۳۴۰ھ تا ۱۴۴۰ھ) عظیم الشان بیان نے پرمانہ کی تیاری، رضا اکڈمی، کبمئی اور امام احمد رضا اکڈمی، صالح نگر، بریلی شریف کی طرف سے جاری ہے۔ متعدد علما کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں جو تحقیق و تالیف، ترجمہ و تفسیر و ترجمہ میں مصروف ہیں۔

(۳) اکابر و اسلاف اہل سُنّت کی حیات و خدمات پر مختلف شہروں میں سمینا روکافرنس کے انعقاد کے سلسلے میں متعدد مشاہیر شخصیات کے ناموں کا انتخاب کیا جا چکا ہے۔

(۴) اس سلسلے کی قابل ذکر کوشش، راقم سطور (پس اختر مصباحی) کی یہ دو قریباً مکمل کتابیں بھی ہیں: (۱) خانوادہ ولی الہی عزیزی، دہلی کے دینی و علمی احوال و آثار (۲) خانوادہ فزنی جملی کہنہ کے دینی و علمی احوال و آثار۔

خدا کرے، مذکورہ منصوبے جلد از جلد بنجر و خوپلی پایہ تکمیل کو پہنچیں اور اہل سُنّت کی جدید تاریخ میں اسلاف شناسی کا ایک خوش گوار انقلاب پیدا ہو اور اہل سُنّت کے درمیان بیداری اور قوت فکر و عمل کی ایک صالح تحریک پیدا ہو۔

آہین - بِجَاهِ حَبِيبِكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَ أَكْثَرُ التَّسْلِيمَاتِ -

دوشنبہ مبارکہ

۱۶ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

مطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۱۱ء

پیش اختر مصباحی

بانی و صدر دارالعلوم، دہلی

ان کا مسلک حق و صداقت اور سلسلہ ذکر و فکر اپنے اکابر و اسلاف سوا اہل عظم اہل سُنّت و جماعت کے ساتھ پوری طرح مربوط و منظم تھا۔ یہ اس طبقہ علما و مشاہیر اسلام کے زمانہ تھے جس کے عہد اخیر میں امام الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی و محدث دلفی ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی و بحر العلوم مولانا عبدالحق فزنی جملی و شیخ العارفین سید شاہ آل احمد تھے میاں قادری برکاتی مارہروی و سراج الھند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و عارف ربّانی شاہ عینی الحق عبدالمجید عثمانی قادری برکاتی بدایونی و امام الحکمتہ والکلام مولانا فضل حق خیر آبادی و سیف اللہ المسلمول مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی و خاتم اللہ کبر سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی قسّد س اللہ اَسْمَاؤُھُمْ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے نصف اول کی ممتاز اسلامی شخصیات، انھیں کے نقوش قدم یہ جادہ بیا تھیں۔ جن کے نام تاریخ اسلامیان ہند میں آفتاب و مانتاب کی طرح تابندہ ہیں۔ مثلاً۔
نور العارفین سید شاہ ابوالکسین احمد نوری مارہروی و اویس زمانہ شاہ فضل حزن، گنج مراکب آبادی و مولانا حسن کاکا پوری مولانا غلام و گنیر قصوری و مولانا غلام قادر کھیری و لاہوری و استاذ العلماء مفتی ارشاد حسین مجذبی رام پوری و محب رسول تاج اللہ مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی و حافظ بخاری سید شاہ عبدالصمد موہودی و حتی سہوئی ثم پھینودی و رئیس الحکما مولانا ہدایت اللہ جون پوری و محدث سورتی مولانا وحی احمد سورتی ثم پھینودی و غیرہ۔ رَضَوُا لِلّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ -

تلامذہ و خلفائے امام احمد رضا و معاصرین حتی اعظم ہند میں بھی علم و فضل کے آفتاب و مانتاب اور درخشاں ستاروں کی تابانی سے متحدہ ہندوستان کا تقریباً ہر خطہ روشن و پُر نور تھا۔ مثلاً۔
چچہ الاسلام مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی، استاذ الحدیثین سید شاہ ویدار علی انوری ثم لاہوری و محدث شایع سید محمد ثریا کچھوچھو، شیخ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، رئیس اکملکین مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھی، ملک اعلم مولانا ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی، برہان ملت متقی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری۔ رَضَوُا لِلّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ -

ان اکابر و اسلاف سوا اعظم اہل سُنّت و جماعت کا ذکر و بیان، تقاضائے ایمان اور ہم سب کے لئے حُر جان ہے۔ اور ان کے تعارف و تعریف و تذکیر سے ہمارے دلوں کو روحانی غذا و لذت میسر آتی ہے۔ اس لئے:

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی

فقیر اسلام، امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (ولادت:۔ بوقت ظہر، بروز شنبہ، تارخ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۲ جون ۱۸۵۶ء۔ بریلی۔ وصال:۔ بوقت دوپہر، بروز شنبہ، تارخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء۔ بریلی) کی حیات و خدمات اور دینی و علمی آثار پر اس وقت ہندوستان کی درس گاہوں و دانش گاہوں کے اساتذہ و طلبہ بہت کچھ لکھ رہے ہیں اور اس شہرہ آفاق شخصیت کی زندگی کے اہم پہلو پر بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تحقیقات کی جارہی ہیں۔ یہ آپ کی جامع شخصیت کا اثر اور قبول عام کا ایسا نمونہ ہے جس سے آپ کی شخصیت، اہل علم و فکر کی نظر میں مزید باورن اور پُرکشش ہو جاتی ہے۔

آپ کا اصل نام ”عجمہ“ رکھا گیا۔ جد امجد مولانا رضا علی بریلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) نے آپ کا نام ”احمد رضا“ رکھا۔ تارخی نام المصنوع (۱۲۷۲ھ) ہوا۔ والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی اور اختصاراً ”احمد میاں“ کہتے تھے اور والد ماجد دارالشائیکہ ”حسن میاں“ کہہ کر پکارا کرتی تھیں۔ مندرجہ ذیل اہمیت کریمہ سے آپ نے اپنے سال ولادت کا استخراج کیا۔

”اُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ (سورہ مجادلہ: آیت ۲۲)“
 یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان، نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔“
 آپ نے اپنے نام کے ساتھ اضافہ کرتے ہوئے ”عبدالمصطفیٰ“ لکھنا شروع کیا۔ جس کا اظہار آپ کے اس شعر میں بھی ہے:

خوف نہ رکھ رضا را تو، تو ہے عبد مصطفیٰ

تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

پہلے سفر حج و زیارت ۱۲۹۵ھ کے موقع پر مقام ابراہیم (متصل کعبۃ اللہ، مکہ مکرمہ) کے قریب، امام شافعیہ حضرت شیخ حسین بن صالح جمال کی جب آپ پر نظر پڑی تو بلا کسی تعارف سابق کے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ اپنے دولت کردہ پر لے گئے اور آپ کی پیشانی کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ:

”اِنِّیْ لَاجِدُ نُورِ اللّٰهِ فِیْ هٰذَا الْجَبِّیْنِ۔ بے شک میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں۔“
 اس کے بعد صحیح سنیہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے ہاتھ سے لکھ کر آپ کو عنایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”تمھارا نام ”ضیاء الدین احمد“ ہے۔“

امام احمد رضا کے خواہر زادہ جناب محمد علی خاں بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مرحومہ آپ کی بڑی بہن تھیں۔ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ:

جب میرے بھائی (امام احمد رضا) کی ولادت ہوئی تو میرے والد (مولانا نقی علی بریلوی) آپ کو دادا (مولانا رضا علی بریلوی) خلیفہ مسوٰفہ کی خدمت میں لے گئے۔

آپ نے گود میں لیا اور فرمایا: میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔“

(ص ۱۰۳۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مؤلفہ ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء)۔

امام احمد رضا کی مجلس میں ایک بار آپ کی ولادت کی تاریخوں کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا: ”بِحَمْدِ اللّٰهِ تعالیٰ میری ولادت کی تاریخ کا استخراج اس آیت کریمہ سے ہے:

”اُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ۔“

جس کا ترجمہ یہ ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان، نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔“

اسی ضمن میں آپ نے ارشاد فرمایا:

”بِحَمْدِ اللّٰهِ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم!

ایک پر لکھا ہوگا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ دوسرے پر لکھا ہوگا۔ محمد رسول اللہ۔“

(ملخصاً ص ۱۰۴۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ داملفوظ، حصہ سوم۔ مطبوعہ بریلی و بمبئی)

مولانا سید ابوب علی رضوی بریلوی، امام احمد رضا کے تلمیذ و خلیفہ اور آپ کے پیش کا رہی تھے آپ نے متعدد مذاہم الک اسلامیہ کے دورے کیے۔ مدینہ منورہ میں ڈھائی سال قیام کیا۔ تین بار حج و زیارت کریمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

بریلی میں ”رضوی کتب خانہ“ آپ ہی قائم کیا۔ متعدد کتب و رسائل رضویہ کی طباعت و اشاعت کی خدمت انجام دی۔ امام احمد رضا کے بہت سے معاملات اور حساب و کتاب کا سارا کام

آپ کے ذمہ تھا۔ بڑی دیانت داری و ذمہ داری کے ساتھ آپ نے متعلقہ امور و فرائض انجام دیے۔ ۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان چلے گئے۔ آپ نے اپنا مجموعہ کلام بنام ”بارغِ فردوس“ دو جلدوں میں شائع کیا۔ آپ کے سفر نامے اور متعدد رسائل چھپے۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ/۲۶ نومبر ۱۹۷۰ء کو لاہور میں آپ کا وصال ہوا۔ مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی نے مبسوط احوال و سوانح رضوی لکھنے پر سب سے پہلے توجہ دی اور اچھا خاصہ مواد بھی جمع کر لیا۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (ولادت ۱۰ انحر ام ۱۳۰۴ھ/۱۹ اکتوبر ۱۸۸۰ء۔ وصال شبِ دو شنبہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء) تلمیذ حضرت مولانا شاہ وحسی احمد محدث سورتی (وصال ۱۳۳۲ھ) و مولانا احمد حسن کان پوری (وصال ۳۲ صفر ۱۳۲۲ھ) و مولانا شامیہ اللہ بخاری کان پوری (وصال ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) و تلمیذ و خلیفہ امام احمد رضا بریلوی، ایک مفصل سوانحی کتاب لکھنے کا عزم مصمم کر چکے ہیں تو اپنا سارا جمع کردہ مواد ان کے حوالے کر دیا۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی اس کا ذکر اور شکر یہ اس طرح ادا کرتے ہیں: ہم رضویوں کو جناب حاجی مولوی سید ایوب علی صاحب رضوی بریلوی کا شکر گزار

ہونا چاہیے کہ اس کی طرف سب سے پہلے توجہ فرمائی اور برادرانِ طریقت کو توجہ دلائی۔ ان کی تحریک سے بعض احباب نے کچھ حالات ان کے پاس لکھ بھیجے۔ اور زیادہ حصہ خود سید صاحب موصوف نے لکھا۔ جب ان کو میر نے ”حیاتِ اعلیٰ حضرت“ (۱۹۳۸ء) لکھنے کی خبر ہوئی تو کچھ مواد ان کے پاس تھا سب مجھے عنایت فرما دیا۔

خداوندِ عالم کا ہزار ہا شکر کہ عرصہ بارہ (۱۲) سال میں یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اور باعتبارِ ختم تالیف ”مظہر المناقب“ (۱۳۶۹ھ) نام تجویز ہوا۔“

(ص ۸۱)۔ دو بیابچہ۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول، بقلم مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی (مولانا سید ایوب علی رضوی بریلوی ہی کے حوالے سے آپ یہ واقعات تحریر فرماتے ہیں کہ: جس وقت اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا بریلوی) قبلہ بطینِ مادر میں تھے، آپ کے والد ماجد (مولانا نقی علی بریلوی) صاحب نے ایک بہت ہی عجیب خواب دیکھا۔ جس کی وجہ سے کچھ پریشانی سی لاحق ہوئی۔ رات بھر اس خواب کی فکر میں رہے اور صبح اٹھے تو بھی اس کی تشویش باقی تھی۔

صبح، حضرت سرپائیش و برکت علاّمہ مولانا رضا علی خاں صاحب اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے خواب بیان فرمایا۔

حضرت ممدوح نے فرمایا: یہ مبارک خواب ہے۔ بشارت ہو کہ:

پروردگار عالم تمہارے نطفہ سے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ جو علم کے دریا بہائے گا۔ جس کا شہرہ، مشرق و مغرب میں پھیلے گا۔“ (ص ۱۰۲)۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول)

ایک مرتبہ محلّہ سوداگران (بریلی) کی مسجد کے قریب، آپ کی طفولیت کے زمانے میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور کئی بار دیکھا۔ پھر فرمایا: تم (مولانا) رضا علی خاں صاحب کے کون ہوں؟

حضور (امام احمد رضا) نے جواب دیا: میں ان کا پوتا ہوں۔ فرمایا: جی۔ اور تشریف لے گئے۔

ایک روز مولوی صاحب موصوف، حسبِ معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے۔ ایک بچے نے سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا: جیتے رہو۔

اس پر حضور نے عرض کیا: یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیٰ کُلم السلام کہنا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت دعا مانگیں دیں۔

اعلیٰ حضرت کے بھانجے جناب علی محمد خاں کا بیان ہے کہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں: ایک روز کسی نے دروازہ پر آواز دی۔

اعلیٰ حضرت (جن کی عمر اس وقت دس (۱۰) برس کی تھی) باہر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ فقیر منش کھڑے ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی فرمایا:

آؤ۔ آپ تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اور فرمایا: تم بہت بڑے عالم ہو۔“ (ص ۱۰۶)۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ اول)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کی تعلیم و تربیت کے بارے میں آپ کے تلمذ و خلیفہ اور سوانح نگار مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تحریر فرماتے ہیں:

”جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے تو تمام درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد، حضرت مولانا مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی، بمولود ۱۳۴۶ھ۔ متوفی ۱۲۹۷ھ سے تمام فرمائی

اور تیرہ (۱۳) سال، دس (۱۰) مہینہ کی عمر شریف میں ۱۲۸۶ھ میں تمام درسیات سے فراغ پایا۔
..... ابتدائی کتابیں ایک مولوی صاحب سے جب حضور نے پڑھ لیں تو میزبان منعقد وغیرہ، جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب (بریلوی) سے پڑھنا شروع کیا۔
اعلیٰ حضرت فرماتے تھے کہ:

جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ تعلیم طریقت، حضور پیرو
مُرخدہ برحق (سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی ماری ہروی) سے حاصل کیا۔
۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا۔ تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری،
اپنے لائق الابن، ولی عہد و مجاہدین کے سپرد فرما دیا۔

حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت و علم کفر وغیرہ میں نے حاصل کیے۔
اَلْغَرَضُ! اعلیٰ حضرت کے اساتذہ کی فہرست، بہت مختصر ہے۔ حضرت والد ماجد
(مولانا نقی علی بریلوی) کے علاوہ شیخ تن پاک کے عشاق ہر شرف شیخ نفوس قدسیہ ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت کے وہ استاذ جنہوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔
(۲) جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۳) جناب مولانا عبد اعلیٰ صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ۔
(۴) حضرت، سلالہ خاندان برکاتیہ، سید شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس اللہ سرہ العزیز۔
(۵) والد ماجد (حضرت مولانا نقی علی بریلوی)

پیر و مُرشد فُلَسْت اَمْسُو اَرْھَمْ کو شامل کر کے چھ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔
ان چھ حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے سامنے زانوئے ادب نہ نہیں کیا۔ مگر
خداوند عالم نے محض اپنے فضل و کرم اور آپ کی محنت و خدا داد نجات کی وجہ سے اتنے علوم و فنون کا
جامع بنایا کہ پچاس (۵۰) فنون میں حضور نے تصنیفات فرمائیں۔ ”الیٰ آخیر“۔

(ص ۱۱۴ اوص ۱۱۵۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول)
ناظر وہ قرآن شریف و ابتدائی اردو کے بعد اردو فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا
مرزا غلام قادر بیگ بریلوی (متوفی محرم ۱۳۳۶ھ۔ ۱۹۱۷ء۔ مدفون بریلی) نے دی۔ اس کے
بعد آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی بریلوی نے آپ کو مکمل تعلیم دی۔

اس دوران تعلیم آپ کے چھوٹے شیخ فضل حسنی بریلوی جو حکمہ ڈاک، رام پور کے ایک
اُفسر اعلیٰ تھے، ان کی دعوت و طلب پر آپ رام پور گئے۔

شیخ فضل حسنی بریلوی، نواب کلب علی خاں والی رام پور کے مقربین میں تھے، انہوں نے
نواب سے آپ کی ذکاوت و فطانت کا ذکر پہلے ہی کر دیا تھا۔ آپ کے رام پور پہنچنے کے بعد
نواب رام پور سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

اس کے بعد کا واقعہ آپ کے برادرزادہ و تلمیذ و خلیفہ مولانا حسنین رضا بریلوی (وصال بروز
یک شنبہ ۵ صفر ۱۲۹۰ھ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۱ء) بن استاذ زَمَنِ مولانا حسنین رضا بریلوی (ولادت
۱۲۷۶ھ۔ وصال ۱۳۲۶ھ) بن مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی (وصال ذوالقعدہ
۱۲۹۷ھ) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”نواب صاحب نے بات چیت ہی سے اندازہ کر لیا کہ یہ بچہ بہت ہونہار ہے۔ تو ان کی
خوشی یہ ہوئی کہ یہ رام پور ہی میں مولانا عبد اعلیٰ صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے
تعلیم حاصل کریں۔ اس لئے کہ مولانا عبد اعلیٰ صاحب، ریاضی میں اور مولانا عبدالحق صاحب
منطق، فلسفہ، اصول و کلام وغیرہ میں یگانہ روزگار مانے جاتے تھے۔“ (ص ۵۰ و ۵۱۔

سیرت اعلیٰ حضرت۔ مصنفہ مولانا حسنین رضا بریلوی۔ طابع و ناشر: سنی رضوی اکیڈمی، پورٹ لوکس،
ماریشش (افریقہ) و کاتبہ مشرق، پرانا شہر، بریلی شریف۔ یو پی۔ ۱۲۰۳ھ ۱۹۸۳ء)

امام احمد رضا اور مولانا عبدالحق خیر آبادی فرزند تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی کی ملاقات
و گفتگو ہوئی مگر بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ البتہ مولانا عبد اعلیٰ ریاضی داں رام پور کی تعلیم
علاوہ فضل حق خیر آبادی سے رضیہ تلمیذ قائم ہوا۔ جیسا کہ مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی
عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

”اس کے بعد کچھ دنوں رام پور میں قیام فرمایا۔ اور جناب مولانا عبد اعلیٰ صاحب جھپاتی
سے ”شرح مبینی“، پریمی پھر مکان (بریلی) واپس تشریف لائے۔“
(ص ۲۵۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ مبینی)

”اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ کسی ضرورت سے رام پور تشریف لے گئے۔ وہاں جناب مولانا
عبد اعلیٰ صاحب، جھپات کے مشہور فاضل تھے۔ چند روز ان کی خدمت میں رہ کر ”شرح مبینی“

کے اسباق لیے تھے۔“ (ص ۹۷۔ حیات اہلی حضرت، مکمل۔ مکتبہ نبویہ، لاہور۔ ۲۰۰۳ء)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے شفیق ابتدائی استاذ ہوں۔ مولانا غلام قادر بیگ بریلوی (متولد یکم محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/۲۵ جولائی ۱۸۲۷ء۔ محلہ جھوئی ٹولہ، کھنؤ۔ متوفی یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ/۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء بریلی۔ مدفون حسین باغ، محلہ باقر گنج، بریلی) تھے۔ جب آپ فارغ التحصیل ہو گئے تو سرمرزا غلام قادر بیگ بریلوی نے آپ سے ہدایہ کا درس بھی لیا تھا۔

مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی نے ایک بار عظمت رسالت سے متعلق امام احمد رضا سے کچھ استفسار فرمایا۔ جس کے جواب میں آپ نے ایک نہایت علمی و تحقیقی کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ **تَحْقِیْقُ الْیَقِیْنِ بِأَنَّ نَبِیَّنَا سَیِّدَ الْمَوْسِلِیْنِ** ”جو ہندوپاک سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ مولانا عبدالحی، بریلی، دال رام پوری (متوفی ۱۳۰۳ھ) کے ابتدائی اساتذہ میں مولوی حیدر علی رام پوری ٹوٹی اور مولانا شرف الدین رام پوری کے نام آتے ہیں۔ ان کے بعد کے اساتذہ مکمل و منتقل میں حکیم صادق علی دہلوی و شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی و علامہ فضل حق خیر آبادی کے اساتذہ گرامی نمایاں ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے ۱۲۹۱ھ میں مولانا عبدالحی، بریلی، دال سے رام پور میں شرح شریف کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا عبدالحی، مدرسہ عالیہ رام پور کے مدرس اول بھی رہے۔

نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی (وصال ۱۳۲۲ھ/اگست ۱۹۰۶ء) خاتم الکامبر سید شاہ آل رسول احمدی برکاتی مارہروی (وصال ذوالقعدہ ۱۲۹۶ھ/۷۹ء) کے پوتے اور خلیفہ و جانشین تھے۔ جن سے امام احمد رضا نے خصوصی تعلیم و تربیت پائی تھی۔

حضرت نوری میاں مارہروی کے ہی مرید و خلیفہ حضرت چچہ الاسلام مولانا محمد حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء) مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) ہیں۔

السُّورُ وَالْهَافِیْ اَسَانِیْدُ الْحَدِیْثِ وَ سَلَا سِلِّ الْاَوَّلِیَا (۷۱۲ھ) مؤلفہ سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی میں وہ جملہ سلاسل و اجازات و سائیدہ مسطور و مذکور ہیں جو خاتم الکامبر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/۷۹ء) سے حاصل اور آپ سے منتقل ہیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد امام احمد رضا کو آپ کے والد ماجد مولانا تقی علی بریلوی نے فتویٰ نویسی

کی خدمت پہ مامور کیا جس کا سلسلہ آپ کے عہد امجد مولانا مفتی رضاعلی بریلوی (وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) سے شروع ہوا تھا۔ چنانچہ اپنے وصایا شریف میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے اس گھر سے فتوے نکلتے ہوئے (۹۰ برس) سے انکد ہو گئے۔ میرے دادا (مفتی رضاعلی بریلوی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدتِ عمر یکایم کیا۔ جب دفترِ رفیع لے گئے تو اپنی جگہ میرے والد ماجد (مولانا تقی علی بریلوی) فُدیَس سبوح کو چھوڑا۔ میں نے چودہ (۱۴) سال کی عمر میں ان سے یہ کام لیا۔ پھر چند روز بعد امامت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ غرض کہ میں نے اپنی صغر سنی میں کوئی بار ان پر نہ آنے دیا۔ جب انھوں نے رحلت فرمائی تو مجھے چھوڑا۔“ (ص ۱۹۔ وصایا شریف۔ مرتبہ مولانا حسین رضا بریلوی۔ مطبوعہ مکتبہ مشرق، کراٹر ٹولہ۔ بریلی)

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کے اپنے وصایا میں امام احمد رضا یہ فرما رہے ہیں کہ اس گھر سے فتاویٰ جاری ہوتے ہوئے (۹۰ برس) سے زائد ہو گئے۔ اس حساب سے خانوادہٴ ضویہ، بریلی سے افتا کا آغاز ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۲ء سے ہوا۔ اس کے بعد کی مدت شامل کر کے ذوالحجہ ۱۲۰۰ھ تک کا حساب لگایا جائے تو فتویٰ نویسی میں خانوادہٴ ضویہ کی خدمت کی کل مدت، ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال تک دراز ہو جائے گی۔

۱۲۹۲ھ میں محبت رسول تابع الفجول مولانا عبد القادر عثمانی قادری بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ) کی ہدایت و ایما کے مطابق آپ ہی کے ہمراہ، حضرت مولانا تقی علی بریلوی و امام احمد رضا بریلوی و مولانا غلام قادر بیگ بریلوی، مارہرہ مطہرہ حاضر ہو کر خاتم الکامبر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی، سجادہ بین خاتقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ (موجودہ ضلع ایبہ، صوبہ اتر پردیش، انڈیا) کی خدمت مبارکہ میں شریف بیعت و ارادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت سید شاہ ابوالقاسم السبیل کسینی قادری برکاتی مارہروی فُدیَس سبوح اس سفرِ حاضری کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ:

فقیر کے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب اور حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں صاحب فُدیَس سبوح سبوح بھی ان دنوں مارہرہ میں تشریف فرما تھے۔

اسی دن ہنظر کے وقت مولانا (عبد القادر عثمانی) بدایونی، مولانا تقی علی خاں (بریلوی)

صاحب مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو ہمراہ لے کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول صاحب (مارہروی) قدس سبوح کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ فقیر کے والد حضرت سید شاہ محمد صادق اور میاں صاحب (حضرت نوری میاں) بھی ہمراہ ہو گئے۔ حضرت خاتم الاکابر نے مولانا تقی علی خاں صاحب (بریلوی) پھر مولانا احمد رضا خاں صاحب، پھر مرزا عبدالقادر بیگ صاحب کو داخل سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ فرمایا۔ اور اسی جلسہ میں حضرت (خاتم الاکابر مارہروی) نے خلافت واجازت جملہ سلاسل و اسناد و تبرکات خاندان عالیہ قادریہ برکاتیہ سے بھی مولانا تقی علی خاں صاحب اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کو مشرف فرمایا۔

بیعت و خلافت کے بعد ان سب حضرات نے کچھ عرصہ فقیر کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور اسی دوران مولانا تاج الفحول بریلوی نے فقیر سے ارشاد فرمایا کہ:

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا حضرت سے بیعت ہو جانا ان کے لئے بھی اچھا ہوا اور

میرے لئے بھی اچھا ہوا۔ (ص ۱۲۲ و ۱۲۳۔ حیات اعلیٰ حضرت حصہ اول۔ مطبوعہ ممبئی)

ایک بار قیلولہ کے وقت اپنے ہونے والے شیخ و مرشد کی تلاش و جستجو میں پختی طور پر سرگرداں حضرت امام احمد رضا نے ایک خواب دیکھا کہ آپ کے چچا امجد مولانا رضا علی بریلوی تشریف لائے اور فرمایا: ”وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمھارے اس درد کی دوا کرے گا۔“

چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز محبت رسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا۔ اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہر تشریف چل کر بیعت ہو جانا چاہیے۔

چنانچہ نہیں (بریلی) سے یہ حضرات مارہر تشریف کو چل پڑے۔ (اعلیٰ حضرت ان کے والد ماجد اور حضرت مولانا عبدالقادر بیگ صاحب)

جب مارہر تشریف پہنچے اور آستانہ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیدنا مولانا سید آل رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور ان کے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے، وہ یہ تھے:

آئیے! ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے۔“

اعلیٰ حضرت اور ان کے والد ماجد بیعت ہوئے اور مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دست کرم سے رکھ دیا۔

یوں یہ خلش جس کے لئے اعلیٰ حضرت روتے تھے رب العزت نے نکال دی۔ شریعت کی تعلیم و تربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیر و مرشد نے کردی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سبوح شریعت و طریقت دونوں کے امام ہو گئے۔

بعض مریدین نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت سیدنا آل رسول قدس سبوح سے عرض کیا کہ: حضور! اس بچے پر یہ کرم کرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہو گئی؟ نہ ضروری یا بضت کا حکم ہوا نہ چلہ کشی کرائی؟

اس کے جواب میں حضرت سیدنا آل رسول نے ارشاد فرمایا کہ:

تم کیا جانو؟ یہ بالکل تیار ہو کر آئے تھے۔ انھیں صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آکر وہ ضرورت بھی پوری ہو گئی۔“

یہ فرما کر ابیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ:

رب العزت دریافت فرمائے گا کہ:

آل رسول! تو دنیا سے ہمارے لئے کیا لایا؟ تو میں ”احمد رضا“ کو پیش کروں گا۔“

(ص ۵۳ و ۵۴۔ سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا حسنین رضا بریلوی۔ مطبوعہ مکتبہ مشرق، کانپور۔ بریلی۔ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

خاتم الاکابر، سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی خلیفہ و جانشین شمس مارہرہ، سید شاہ آل احمد اچھے میاں قادری برکاتی مارہروی اگر ایک طرف علم حدیث و دیگر علوم اسلامیہ میں سرانجام شہاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرزند و تلمیذ شہاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلمیذ ارشد تھے تو دوسری طرف علوم معقول میں حضرت مولانا شاہ نور الحق فرنگی محلی لکھنوی و مفتی ظہیر اللہ فرنگی محلی لکھنوی کے تلمیذ رشید تھے۔

حضرت خاتم الاکابر کے توسط سے امام احمد رضا اور آپ کے توسط سے دیگر علمائے بریلی و مبارک پور اور ان کے سلسلہ علم حدیث و سراج لکھنؤ شہاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسلک ہے۔

امام احمد رضا، علم صہبت میں مولانا عبدالعلی، ریاضی داں رام پوری تلمیذ علامہ فضل حق

خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ کے دادا مولانا مفتی رضا علی بریلوی نے ریاست ٹونک (جسٹھان) میں مولانا خلیل الرحمن رام پوری ٹوکی فرزند و تلمیذ مگلا عرفان رام پوری تلمیذ بزرگ العلوم مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی سے تعلیم پائی تھی۔

حضرت مولانا مفتی رضا علی بریلوی کو بیعت واجازت حضرت شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق نقشبندی دہلوی سے تھی۔ حضرت شاہ فضل رحمن، شاہ عبدالحی بریلوی دہلوی و مولانا شاہ فرحت فرنگی محلی لکھنوی کے شاگرد تھے۔

امام احمد رضا کے پردادا، حافظ کاظم علی خاں بریلوی کو مولانا شاہ انوار الحق فرنگی محلی لکھنوی سے بیعت واجازت حاصل تھی۔ رَحْمَتُہُمُ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت حرمین شریفین کا پہلا شرف اپنے والد ماجد مولانا علی قادری برکاتی بریلوی کی معیت و رفاقت میں حاصل کیا۔

حضرت سید زینی دحلان مفتی شافعیہ و حضرت شیخ عبدالرحمن سران مفتی حنفیہ نے حدیث و فقہ و اصول و تفسیر و دیگر علوم کی سند سے سر فراز فرمایا۔

اسی پہلے سفر حج و زیارت کا یہ اعزاز ہے کہ حضرت حسین بن صالح جملہ البلیل نے کسی سابق تعارف کے بغیر حرم شریف میں مقام ابراہیم کے پاس آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ اپنے دولت کہہ پر لے جا کر آپ کی پیشانی کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر ارشاد فرمایا:

اِنِّی لَا جِدُّ نُوْرًا لِلّٰہِ فِیْ ہٰذَا الْجَبِّیْنِ۔

بے شک میں اللہ کا نور، اس پیشانی میں پارہا ہوں۔“

اس کے بعد آپ نے دست مبارک سے صحیح ستّہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت تحریر فرما کر

اسے آپ کو عنایت فرمایا۔

حضرت شیخ حسین بن صالح جملہ البلیل نے آپ کو جو سونو عطا فرمائی اس کی بڑی خوبی یہ

ہے کہ اس میں امام بخاری تک محض گیارہ واسطے ہیں۔

اسی سفر مبارک میں اَلْجَوْہُورُ مَوْلَہُ شَیْخِ جَمَلِیِّ البلیل جو فقہ شافعی کے مطابق مناسک حج پر مشتمل ہے، اس کا اردو ترجمہ کیا اور ایک شرح دودن میں تحریر فرمائی۔ جس کا نام اَلْکِتَابُ الْوَصِیَّةُ فِیْ شَرْحِ الْجَوْہُورِ الْمَصْطَبَةِ رکھا۔

آپ نے جب اس ترجمہ اور شرح کو حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے بے حد مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی تحسین و تعریف فرمائی۔

(ملخصاً ص ۱۳۳۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

حضرت مولانا محمد رضا خاں صاحب برادر اصغر و حضرت چچہ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا

خاں صاحب خلیفہ اکبر اور حضور کی اہلیہ حضرت مہ ۱۳۲۳ھ کو حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئیں۔

حضور انھیں پہنچانے کے لئے جہانمی تک تشریف لے گئے کہ وہاں سے بمبئی میل پر وہ لوگ

روانہ ہوں گے۔ جو سیدھا بمبئی جائے گا اور کہیں بدلانا نہ ہوگا۔

اس وقت تک آپ کا قصد، حج و زیارت کے لئے سفر کا بالکل نہ تھا کہ حج فرض ادا ہو چکا تھا۔

زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ صرف ان کی مشابعت مقصود تھی۔

اسی درمیان آپ کو اپنی نعتیہ غزل یاد آگئی۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

گذرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر

رہ گئی ساری زمیں، معجزہ سارا ہو کر

اس کا ایک شعر یہ ہے۔

ولے محرومی قسمت کہ نہیں پھر آب کے برس

رہ گیا ہمرہ زُورِ ابرہہ بنہ ہو کر

اس کا یاد آنا تھا کہ دل بے چین ہو گیا۔ اور وہی ہوا جس کو آپ نے ایک دوسری غزل میں

فرمایا ہے۔

پھر اٹھا و لولہ یا دِ مُغْمِلَانِ عرب

پھر کھنچا دامن دل، سوئے بیابان عرب

اسی وقت حج و زیارت بلکہ خاص زیارت سرور عالم صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا قصد مصمم

فرمایا۔ (والدہ ماجدہ سے اجازت سفر نہ لی تھی اس لئے جہانمی سے فوراً بریلی واپس آئے اور

اجازت حاصل کر کے فوراً سفر کے لئے روانہ ہوئے تو) حُسن اتفاق کہ وہ (بحری) جہاز (بمبئی

سے) کروانہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے سب لوگ ایک جہاز میں سوار ہوئے اور یہ سفر مبارک بخیر و خوبی

انجام پایا۔ اسی سفر کے متعلق آپ کا یہ شعر ہے۔
 کعبہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا
 پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہ نصرت کدھر کی ہے؟
 حدیث شریف میں ہے: اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَانَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى۔
 عام طور پر بھی زبان زد ہے: جیسی نیت ویسی برکت۔“
 یہ سفر آپ کا چوں کہ خاص حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت پاک کے لئے
 تھا اس لئے ویسا ہی ہوا۔
 مولوی سید شاہ جعفر میاں (پٹھواری) صاحب خطیب جامع مسجد، کپورتھلہ (پنجاب) نے
 اپنے والد (شاہ سلیمان پٹھواری) صاحب کے عرس کے موقع پر اس واقعہ کو نہایت مؤثر طریقے
 پر بیان کیا تھا کہ:
 جب جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ دوسری مرتبہ زیارت نبوی کے لئے
 مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ شوق دیدار میںروضہ شریف کے مہاجرہ میں درود شریف پڑھتے رہے۔
 یقین کیا کہ سرکار اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ضرور عزت افزائی فرمائیں گے۔
 اور ہوا مہاجرہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا تو کچھ کبیدہ خاطر ہو کر
 ایک غزل لکھی۔ جس کا مطلع یہ ہے۔
 وہ موعے لالہ زار پھرتے ہیں
 تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
 اس غزل کے مقطع میں اسی کی طرف اشارہ کیا۔ فرماتے ہیں۔
 کوئی کیوں پوچھتے تیرے بات رضا
 تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں
 بیغزل مہاجرہ اقدس میں عرض کر کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ:
 قسمت جاگ اٹھی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ
 وَسَلَّم سے مشرف ہوئے۔
 رَزَقْنَا اللّٰهَ وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِيْنَ زِيَارَةَ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ - عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلَاةِ

والتسليم - يسر كعبه رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْ جَمِيعِ عُلَمَاءِ الْاِسْلَامِ وَالْمَشَائِخِ
 الْكِرَامِ وَالْمُسْتَمِينَ اِلَيْهِ اَلْيَوْمِ الْقِيَامِ - آمين۔
 (ص ۱۳۵ تا ص ۱۳۷ - حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول - مطبوعہ مکتبی)
 حج و زیارت خرمین شریفین کے دونوں اسفار تجارت مقدس و عالم اسلام کے علما و مشائخ کرام
 سے ملاقات و مذاکرات، اجازات و اسانید و تصدیقات و تقریبات وغیرہ کی روح پرورد
 ایمان افزا و تفصیلات، ہندو جرنیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں جن کی ہندوپاک میں مسلسل طباعت
 و اشاعت ہوتی رہتی ہے:
 (۱) اِلَاجَا زَاتُ الْمَنِيْبَةِ لِْعُلَمَاءِ بَنَگَۃِ وَالْمَدِيْنَةِ - بقلم امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی۔
 (۲) اَلْمَلْفُو ظَا (چار حصے) مرتبہ مکتبی اعظم مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا نور پوری بریلوی۔
 (۳) فاضل بریلوی لکھنؤ کے جہان کی نظر میں - مؤلفہ پروفیسر محمد مسعود احمد جودی مظہری (کراچی)
 (۴) امام احمد رضا! ارباب علم و دانش کی نظر میں - مؤلفہ بیس اختصار مصباحی۔
 حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی تلمیذ و خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نے آپ
 کی عادات و اوصاف و اخلاق کو دربار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:
 آپ اس قدر سادہ وضع میں رہتے کہ کوئی شخص یہ بھی خیال نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ہی وہ
 مولانا احمد رضا بریلوی ہیں جن کی دینی و علمی شہرت شرق سے غرب، شمال سے جنوب تک پھیلی
 ہوئی ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ کبھی قیمتی لباس، قیمتی عبا، قیمتی عمامہ وغیرہ استعمال فرماتے تھے۔
 نہ خاص مشائخ کا انداز، خانقاہ چلہ، خلعہ وغیرہ یا خدۂ ام کا مجمع۔
 عادت کریمہ تھی کہ بروز جمعہ، بعد نماز جمعہ پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ بعد نماز مغرب،
 مکان میں تشریف لے جاتے۔
 روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ علوم و فیوض و برکات کے دریا جاری
 ہوتے اور خطا آستانہ عوام اہل سُنَّت و علما اہل سُنَّت مستفیض ہوا کرتے۔
 مؤتمر سرائیل عصر و مغرب کے درمیان مسجد نبی میں رہتے۔ تمام حاضرین بھی اعتکاف کے
 ساتھ، مسجد نبی میں حاضر خدمت رہتے اور وہیں عیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا۔
 مغرب کی نماز پڑھ کر زمانہ کان میں تشریف لے جاتے۔ یہ حضرت کا معمول تھا۔

پانچوں وقت نماز میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز باجماعت، مسجد میں ہی ادا فرماتے۔
 سید ایوب علی رضوی بریلوی کا بیان ہے کہ:
 سب خرامی کا یہ حال تھا کہ کبھی آپ کے پائے مبارک کی چاپ سننے میں نہ آئی۔
 ایک بار حکیم عبد الجبار صاحب، بمبئی سے آئے۔ انھوں نے ایک چھوٹی شیشی میں رقیق دوا
 آمکھوں میں ڈالنے کے واسطے پیش کی۔ آپ نے اس کے آٹھ اور پافت فرمائے۔
 حکیم صاحب نے اس دوا کی تعریف کرتے ہوئے اس کے استعمال کی ترغیب دی۔ آپ
 نے ارشاد فرمایا: میں بغیر تحقیق آٹھ کوئی دوا کبھی استعمال نہیں کرتا ہوں۔“
 کتب احادیث پر دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر کسی حدیث کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور
 درمیان میں کوئی شخص بات کا ٹٹا تو سخت کبیدہ اور ناراض ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے
 زانو پر رکھ کر بیٹھنے کو پابند فرماتے۔

سید ایوب علی رضوی بریلوی کی بیان کردہ بعض عادات یہ ہیں:
 شکل نام آدرس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) استراحت فرمانا۔ ٹھٹھا نہ لگانا۔ جمائی
 آنے پر انگلی دانتوں میں دبالیٹا اور کوئی آواز نہ ہونا۔ کھڑے کرتے وقت، دست چپ، بریش مبارک
 پر رکھ کر خید ہر ہو کر پانی منہ سے گرانا۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکانا۔ نہ قبلہ کی طرف
 پائے مبارک دراز کرنا۔ نماز پنج گانہ، مسجد میں باجماعت ادا کرنا۔ فرض نماز باجماعت ادا کرنا۔ خط
 بنواتے وقت اپنا لنگھاوشیشہ استعمال فرمانا۔ مسواک کرنا۔

مولانا محمد حسین چشتی نظامی فخری (مالک طلسمی پریس، میرٹھ) فرماتے ہیں کہ:
 اعلیٰ حضرت، نہایت ضعیف الجذعہ اور قلیل الغذا بزرگ تھے۔ اپنا کوئی وقت بے کار نہیں
 جانے دیتے تھے۔ ہمہ وقت تصنیف و تالیف و فتویٰ نویسی کا مشغول تھا۔

اسی وجہ سے اپنے گھر کے زنانہ میں تشریف رکھتے تھے کہ عوام کی باتوں میں کام نہیں
 ہوگا یا بہت کم ہوگا۔ صرف پنج گانہ نماز کے لئے گھر سے باہر تشریف لاتے تا کہ مسجد میں جماعت
 کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یا اتفاقیہ کسی مہمان سے ملنے کے وقت۔ البتہ عصر کی نماز کے بعد باہر ہی
 پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ جو عوام لوگوں کی ملاقات کا وقت تھا۔

حضرت مولانا وحی احمد مجتہد سورتی و مولانا احمد اللہ پشاوری و صدر الشریعہ مولانا

محمد اجمعی اعلیٰ ایک بار آپ کے ساتھ شریک طعام تھے۔ پانی کی نفاس کا ذکر آیا تو آپ نے
 ارشاد فرمایا:

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ حضور و روح عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی
 کھانے پینے کی کوئی چیز کسی سے طلب نہ فرمائی۔ مگر ٹھنڈا پانی دوا طلب فرمایا۔ ایک بار
 فرمائش کی، رات کا باسی پانی لاؤ۔“

فرمایا: میں نے مدینہ طیبہ سے بہتر پانی کہیں کا نہ پایا۔ گرمی کے موسم میں اس شہرِ کربہ کی
 ٹھنڈی نسیمیں، پانی کو اتنا سرد کر دیتی ہیں کہ بالکل برف معلوم ہوتا ہے۔

عمدہ پانی کی تین صفتیں ہیں۔ اور وہ تینوں اس میں اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہیں۔

ایک صفت یہ کہ ہلکا ہو۔ اور مدینہ منورہ کا پانی اس قدر ہلکا ہوتا ہے کہ پیتے وقت اس کا حلق
 سے اترا بنا کھل معلوم نہیں ہو۔

دوسری صفت، شیرینی ہے۔ وہ پانی اعلیٰ درجہ کا شیریں ہے۔ ایسا شیریں میں نے کہیں نہیں پایا۔
 تیسری صفت، خشکی ہے۔ یہ بھی اس میں اعلیٰ درجہ پر ہے۔

حضرت سید شاہ اسماعیل حسینی میاں (قادری برکاتی ماہروی) قدس سرہ کا بیان ہے کہ:
 مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی بصوری و معنوی

بنایا تھا۔ اوصاف و کمالات میں جس کو دیکھیے آپ کی ذات میں بروجہ کمال اس کا ظہور تھا۔

والدین کی اطاعت و اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا احمد رضا کے والد ماجد مولانا نقی علی
 خاں صاحب کا انتقال (۱۲۹۷ھ) ہوا تو اپنے جھسے کی جائداد کے مالک ہونے کے باوجود مولانا
 احمد رضا نے سب کا اختیار اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ جس طرح چاہیں صرف کرتیں۔
 جب مولانا احمد رضا کو کتابوں کی خریداری کے لئے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی

تو والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے۔ جب وہ اجازت
 دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے۔“

علماء اہل سنت کے ساتھ آپ اس طرح قدر و منزلت کے ساتھ پیش آتے کہ بابر و شاہید۔
 خصوصاً آجہت رسول، نتائج العلوم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر عثمانی بابرانی قدس سرہ کی
 بہت ہی عزت کرتے تھے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ شان تھی کہ جب تشریف لایا کرتے تو شہر (بریلی) کی حالت بدل جایا کرتی۔ عجیب رونق اور چہل پہل ہو جایا کرتی تھی۔ اور جب تشریف لے جاتے تو باوجود بے کسب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

صاحب البرکات سید شاہ کرت اللہ قادری ماری وی فلیڈس بسرۃ کے عرس مبارک میں مولانا احمد رضا خاں نے بارہا شرکت کی۔ اور اس میں وعظ بھی فرمایا۔ مگر اس طرح کہ فرماتے کہ میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا تو دوسروں کو وعظ کے کیا لائق ہوں؟

آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعی دریافت فرمائیں۔ چوں کہ بعد سوال، حکم شریعت ظاہر کرنا حکم شریعت ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا اسے ظاہر کر دوں گا۔

اقتباس کر حاضرین میں سے کوئی صاحب حسب حال سوال کر دیتے اور آپ اپنی تقریر سے ایک مؤثر بیان اس مسئلہ پر بیان فرما دیتے۔

(اقتباس و تحفیض از تفرق صفحات۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

آپ کے اخلاق کریمانہ، صفت نبوی کے مطابق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ اور کسی کو کسی چیز سے منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔

جیسا کہ خود ایک رباعی میں آپ فرماتے ہیں:

نہ انوش ز نسیم، نہ انیش ز طعن

نہ راہوش بہدے، نہ راگوش دے

منم و نیک خمولی کہ نہ گجد دروے

چو من و چند کتا بے و دوات و قلے

آپ کا معمول تھا کہ تصنیف و تالیف، کتب، بی، اور ادواشغال کے خیال سے خلوت میں

تشریف رکھتے۔

پانچوں نمازوں کے وقت مسجد میں تشریف لاتے اور ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے۔ اکثر

مکان ہی سے وضو کر کے تشریف لاتے۔

(ص ۱۶۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

کرم وعطا اور جو ہر کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سید ابوب علی رضوی بریلی بیان کرتے ہیں کہ: آپ کے کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل، خالی نہیں بھرتا۔ اس کے علاوہ بیگانگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت، روانی، ناداروں کے مہینے تو کھانا علی اللہ مقدر تھے۔ اور یہ اعانت، فقط مقامی نہ تھی بلکہ پیران جات بھی بذریعہ منی آرڈر قریب امداد ارسال فرمایا کرتے تھے۔“

(ص ۱۸۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ مطبوعہ بمبئی)

”محبت و عزت علما“ کے ذیلی عنوان کے تحت، حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا سید شاہ اسلمعلیل حسن میاں (قادری برکاتی ماری وی) صاحب کا بیان ہے کہ: ”مولانا احمد رضا خاں صاحب بمضمون ایشدائے عسلی الکھار و حمائہ بیتہم۔ جس

قدر کفار و مرتدین پر سخت تھے، اسی طرح درجہ علما کے اہل سنت کے لئے اہم کرم، ہر پاپا کرم تھے۔ جب کسی سنی عالم سے ملاقات ہوتی، دیکھ کر باغ ہو جاتے۔ اور ان کی ایسی عزت و قدر

کرتے کہ وہ خود اپنے کو اس کا اہل نہ خیال کرتے۔ خصوصاً مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) میں جو اخلاص و محبت و اتحاد و داد کے تعلقات تھے،

دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) کو مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) اپنے عزیز ترین بھائی سے کسی طرح کم نہیں سمجھتے تھے۔ اپنا قوت بازو خیال فرماتے۔

اور مولانا احمد رضا خاں صاحب (بریلوی) بھی ان کو اپنا بزرگ بھائی جانتے۔ ان کے اعزاز و اکرام میں مافوق العادۃ کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں فرماتے۔

جائع حالات فقیر ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ کہتا ہے کہ

جس زمانہ میں قصیدہ اہل الانوار والام الاشرار “کے کوٹیا کرتا تھا، جب اس شعر پر پہنچا۔

اذا اخلوا تمصروبا الایادی

اذا اخلوا فصا لمصربید

(ترجمہ) جب وہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو دیوانہ شہر بن جاتا ہے۔ اور جب وہ کوٹ

کرتے ہیں تو شہر ویران ہو جاتا ہے۔“

میں نے عرض کیا: یہ تو محض مبلغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے؟
 آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ بلکہ یہ واقعہ ہے۔ محبت رسول، تاج الحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) رحمۃ اللہ علیہ کی یہی شان تھی کہ:
 جب یہاں (بریلی) فروش ہوتے، عجیب رونق اور چہل پہل ہو جاتی، درود یوار روشن ہوتے، انوار و برکات کی بارش ہوتی۔
 اور جب واپس تشریف لے جاتے، باوجود وہی صرف ہوتے۔ گھر کے سب لوگ جملہ والے، سب کے سب رہتے۔ لیکن عجیب اداسی اور پرانی چھا جاتی۔
 دولہا گیا، رہ گئے براتی۔
 جامع حالات (محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی غفرلہ کہتا ہے کہ:
 میرے زمانہ قیام بریلی شریف یعنی ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۲۹ھ تک علمائے اہل سنت و مشائخ کرام و داعیان دین و ملت دیگر حضرات اہل سنت و جماعت برابر تشریف لایا کرتے تھے۔
 کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ ایک دو مہمان تشریف نہ لاتے ہوں۔ ان سب کی خاطر و مدارات، حسب مرتبہ کی جاتی۔
 سے باہر ہے۔ خصوصاً
 محدث سورتی، حضرت مولانا شاہ صبی احمد پٹیلی بھیجتے۔
 ابوالوقت، شیر پیٹھ، سندھ مولانا ہدایت رسول برکاتی لکھنوی۔
 ابواللہ کا حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ اعظمی، رام پوری۔
 حضرت مولانا شاہ ظہور اکسین فاروقی رام پوری۔
 حضرت مولانا شاہ ریاست علی شاہ چھا پوری۔
 عہد الاسلام مولانا عبدالسلام جبل پوری۔
 حضرت مولانا سید شاہ محمد فاخر اجملی الد آبادی۔
 حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھو۔
 حضرت مولانا سید شاہ احمد اشرفی کچھوچھو۔

حضرت مولانا قاضی عبدالوحید عظیم آبادی۔
 حضرت مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاری بنزیر۔
 حضرت مولانا سید شاہ دیدار علی انوری شملہ لاہوری۔
 حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی۔
 حضرت مولانا شاہ حبیب اللہ میرٹھی۔
 حضرت مولانا شاہ محمد اللہ اللہ آبادی شملہ لاہوری۔
 حضرت مولانا مشتاق احمد کان پوری۔
 حضرت مولانا شاہ نجم بخش آردی، بہاری۔
 حضرت مولانا سید شاہ عبدالحق ہسرامی۔ وغیرہ وغیرہ
 علمائے کرام کی تشریف آوری کے وقت کاسماں تو بیان سے باہر ہے۔
 ان میں حضرت محدث سورتی اکثر و بیشتر شہر بریلی تشریف لایا کرتے تھے۔ اور سپہٹ اللہ لمسلول مولانا شاہ ہدایت رسول برکاتی لکھنوی جب تشریف لاتے تو شہر بھر میں ان کے منظوں کی دھوم مچ جاتی اور جگہ جگہ وعظ ہونے لگتے۔ اور مہینہ دو مہینہ سے کم، قیام کی نو برت نہ آتی۔
 وہ زمانہ بھی عجیب چہل پہل کا ہوتا۔ شہر بھر میں مسرت و شادمانی کی ہر دوڑ جاتی۔“
 (ص ۲۱۶ تا ص ۲۱۹۔ حیات اہل حضرت، حصہ اول، مطبوعہ بمبئی)
 علوم و فنون، فضل و کمال، عبادت و زہد و اتقا، اتباع سنت و شریعت، عشق و محبت رسول، التزام جماعت و مسجد، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، یہ سبھی چیزیں گویا امام احمد رضا ربیلوی کی حیات مبارکہ کے لازمی اجزاء تھے۔
 غلبہ محبت رسول کی وجہ سے نسبت سیادت کا آپ کے یہاں بے حد احترام اور تعظیم و توقیر سادات کرام کا بے پناہ اہتمام تھا۔ اس سلسلے میں آپ کے جذبات فراوان کا اظہار آپ کے نعتیہ مجموعہ کا نام ”حدائق بخشش“ کے تقریباً ہر صفحہ اور ایک ایک شعر سے ہوتا ہے۔
 یہ ”حدائق بخشش“ ہندوپاک کا سب سے کثیر الاشاعت مجموعہ نعت ہے۔ اسی طرح آپ کا اردو ترجمہ ”قرآن بنام“ کنز الایمان دُنیا کے تقریباً ہر اُس شہر میں موجود ہے جہاں اردو بولنے

تجوید	۱۵
عقائد و کلام	۱۶
مناظرہ	۱۷
فضائل	۱۸
سیرت	۱۹
مناقب	۲۰
تاریخ	۲۱
تصوف	۲۲
سلوک	۲۳
آذکار	۲۴
اخلاق	۲۵
نصائح و موااعظ	۲۶
ملفوظات	۲۷
مکتوبات	۲۸
خطبات	۲۹
ادب	۳۰
نحو	۳۱
صرف	۳۲
لغت	۳۳
عروض	۳۴
تعبیر	۳۵
آفاق	۳۶
تکسیر	۳۷
بقر	۳۸
ایک سو چھپیس (۱۳۶)	۱۵
سات (۷)	۱۶
تیس (۳۰)	۱۷
چار (۴)	۱۸
بارہ (۱۲)	۱۹
تین (۳)	۲۰
بارہ (۱۲)	۲۱
دو (۲)	۲۲
نو (۹)	۲۳
تین (۳)	۲۴
سیٹائیس (۲۷)	۲۵
پانچ (۵)	۲۶
دو (۲)	۲۷
دو (۲)	۲۸
ایک (۱)	۲۹
دو (۲)	۳۰
ایک (۱)	۳۱
ایک (۱)	۳۲
ایک (۱)	۳۳
ایک (۱)	۳۴
ایک (۱)	۳۵
آٹھ (۸)	۳۶
نو (۹)	۳۷

۱	علم تفسیر قرآن	پندرہ (۱۵)
۲	اصول تفسیر قرآن	ایک (۱)
۳	رسم خط قرآن	ایک (۱)
۴	علم حدیث	چھپیس (۳۶)
۵	آسانہ حدیث	تین (۳)
۶	اصول حدیث	چھ (۶)
۷	تخریج احادیث	چار (۴)
۸	جرح و تعدیل	دو (۲)
۹	اسماء الرجال	سات (۷)
۱۰	لغت حدیث	ایک (۱)
۱۱	فقہ اسلامی	دوسو ترپن (۲۵۳)
۱۲	اصول فقہ	سات (۷)
۱۳	رسم لکھتی	تین (۳)
۱۴	فرائض	چار (۴)

وامساندر سے نو انرا اپنی ثابت درجہ روحانی مسرت و تعلق کا اظہار کیا کہ اُن میں یہ حضرات نمایاں ہیں:

مفتی شافعیہ، مکرمہ آپ جلیل القدر شافعی فقیہ مفتی تھے آپ کی تصانیف میں السیرۃ النبویہ، الفتوحات الاسلامیہ، خلاصۃ الکلام فی أمراء البلد الحرام، الجداول المَرصُیۃ فی تاریخ الدُّولِ الاسلامیۃ، الفتح المبین، اور الذکرُ السَّنیۃ فی الرِّدِّ علی الوہابیۃ مشہور ہیں۔

آخر الذکر کتاب کا اردو ترجمہ نام ”مسائل توکل و زیارت“، بقلم پلس اختر مصباحی، دار القلم دہلی، ہندوپاک میں مطبوع و مقبول ہو چکا ہے۔

(۳) شیخ حسین بن صالح جملہ البلیل (وصال ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۲ء) پہلے سفر حج ۱۲۹۵ھ میں صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت کا ذکر گزر چکا ہے۔ فقیر شافعی کے منسلک حج پر مشتمل آپ کی کتاب الْجَوْهَرُ الْمُضِيءُ پیرام احمد رضا نے صرف دو دون میں ترجمہ و شرح لکھ کر اس کا نام التَّيْرَةُ الْوَضِيَّةُ فِي شَرْحِ الْجَوْهَرِ الْمُضِيءِ رکھا اور پھر اس پر بعض تعلیقات و حواشی کا اضافہ کر کے اس کا نام رکھا "الطُّورَةُ الرَّضِيَّةُ عَلَيَّ التَّيْرَةِ الْوَضِيَّةِ" (۳) شیخ عبدالرحمن سرائیکی، مفتی حنفیہ (وصال ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) نے پہلے سفر حج ۱۲۹۵ھ کے موقع پر پیرام احمد رضا کو حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ کی سندوں سے نوازا۔

آپ کی کتاب ”ضوء السراج علی جواب المحتاج اور مجموعۃ الفقہ“ کی علمی و قلمی یادگار ہیں۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے دوسرے سفر حج و زیارت ۱۳۳۳ھ کی دواہم علمی و فنی یادگاریں ہیں (۱) الدَّوْلَةُ الْمَكِّيَّةُ بِالْمَادَةِ الْعَبَسِيَّةِ (۲) كَفَلُ الْفَقِيهِ الْقَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قُرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ۔

مشاہیر شیوخ حجاز وعلمائے عالم اسلام کو مختلف شکلوں میں اپنی اجازات و اسانید سے آپ نے بھی نوازا تھا جس میں سے چند حضرات کے اسامے گرامی، درج ذیل ہیں:

شیخ اسماعیل خلیل مکی، شیخ اسعد الدین دھانی مکی، شیخ ابو حسین مرزوقی، شیخ احمد خضراوی مکی،

شیخ ابو الحسن محمد زروق، شیخ احمد ابوالخیر مرداد مکی، شیخ حسن عجمی، شیخ حسین مکی، شیخ سالم بن
عید رومی، شیخ صالح کمال مکی، شیخ صالح بن شیخ صدیق بن شیخ عبدالرحمن کمال مکی، شیخ ضیاء الدین
احمد القادری المدنی، شیخ عبدالرحمن سراج مکی، شیخ عبداللہ بن احمد ابوالخیر مرداد مکی، شیخ عبداللہ بن
دحلان مکی، شیخ عبداللہ بن مرداد مکی، شیخ عبداللہ بن عباس بن صدیق، شیخ عبدالقادر کردی مکی،
شیخ عمر حری، شیخ عمر بن حمدان، شیخ عابدین حسین مئی مالکیہ، شیخ علوی بن کسن، شیخ محمد عبداللہ بن
شیخ عبدالکبیر الکلثانی الحسنی، شیخ محمد بن عثمان (دحلان)، شیخ محمد بن سعید محمد المغربی، شیخ مامون بری،
شیخ مصطفیٰ خلیل مکی،

متحدہ ہندوستان کے ممتاز تلامذہ و خلفائے امام احمد رضا میں نمایاں حضرات، یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد عبدالسلام رضوی جبل پوری (۲) مولانا محمد امجد علی عظمیٰ رضوی (۳) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۴) مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی (۵) مولانا سید محمد مجتد ث اشرفی کچھوچھوی (۶) مولانا محمد حامد رضا قادری برکاتی بریلی (۷) مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلی (۸) مولانا سید دیدار علی مجتد ث اشرفی لاہوری (۹) مولانا سید سلیمان اشرف علی گڑھی (۱۰) مولانا عبدالعظیم صدیقی میرٹھی (۱۱) مولانا احمد مفتاح صدیقی میرٹھی (۱۲) مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری (۱۳) مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (۱۴) مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری لاہوری (۱۵) مولانا ابوالحسن سید محمد احمد قادری لاہوری (۱۶) مولانا حبیب اللہ قادری میرٹھی (۱۷) مولانا شمسین رضا بریلی (۱۸) مولانا عبداللہ حد قادری پٹی پختی (۱۹) قاضی عبدالوہید رودفی عظیم آبادی (۲۰) مولانا عبدالسلام باندوی (۲۱) مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی (۲۲) مولانا رحیم بخش آروی (۲۳) مولانا غلام جان ہزاروی (۲۴) بشی لعل محمد خاں مدراسی (۲۵) مولانا غلام احمد فریدی (۲۶) مولانا احمد حسینی امروہوی (۲۷) مولانا امام الدین قادری، کوٹلی لوہاران، پنجاب (۱۸) مولانا محمد شریف، کوٹلی لوہاران، پنجاب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کو اپنے مشائخ کرام سے متعدد مسائل پر طریقہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی مگر ایک زمانہ تک براہِ وضع و انکساری کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے۔ بیعت و ارادت کے خواہش مند حضرات کو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالکسیم احمد نوری

مارہروی کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ جس میں صرف اہل بریلی یا دوسرے حضرات کی خصوصیت نہ تھی بلکہ اپنے اقارب حتیٰ کہ اپنے دونوں صاحب زادگان، حضرت مولانا محمد حامد رضا و حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا کو بھی حضرت نوری مارہروی علیہ الرحمۃ ہی سے بیعت کرایا۔ اور ان دونوں کو آپ کی خلافت و اجازت بھی حاصل ہوئی۔ امام احمد رضا کے بھائی، استاذِ زمیں مولانا حسن رضا سکنی بریلی کو بھی حضرت نوری میاں علیہ الرحمۃ سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل تھا۔

اسی طرح آپ، طالبین بیعت و ارادت کو بچپ رسول تاج الفحول مولانا عبدالقادر عثمانی قادری بدایونی کی خدمت میں بھی بھیج دیا کرتے تھے۔

”کچھ دنوں کے بعد عالم رویا میں اپنے شیخ کامل حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدسِ سبوتہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

”آپ، سلسلہ کا دائرہ کیوں تنگ کرتے ہیں؟ کیوں نہیں مرید کیا کرتے؟

اس حکم و بشارت کے بعد مجبوراً بیعت لینی شروع فرمائی۔

جن کی قسمت میں فتنامِ ازل نے داخل سلسلہ قادریہ رضویہ ہونا تحریر فرمایا تھا، اطراف و اکنافِ عالم سے آکر داخل سلسلہ عالیہ ہوتے۔“

(ص ۱۸ اوص ۱۹۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ ممبئی)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلی کو سب سے زیادہ پسندیدہ طریقہ ”سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ“ تھا۔ طالبین بیعت کو عام طور پر اسی سلسلے میں بیعت کیا کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص کسی خاص سلسلے کی خواہش ظاہر کرتا یا آپ اس کے حسبِ حال کوئی سلسلہ زیادہ مناسب سمجھتے تو اس میں ہی بیعت کرایا کرتے۔ ورنہ عام طور پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں سب کو داخل فرماتے۔ آپ کو چند چذیل سلاسلِ طریقت میں مندرجہ ذیل واسطوں سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

اول:- سلسلہ عالیہ قادریہ جدیدہ، سلسلۃ اللہب۔

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلی۔ از خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی۔ از شمس العارفین سید شاہ آل احمداتھے میاں قادری برکاتی مارہروی۔ از سید شاہ حمزہ مارہروی۔ از سید شاہ آل محمد مارہروی۔ از سید شاہ برکت اللہ قادری مارہروی۔ از سید شاہ فضل اللہ

کاپوی۔

سلسلہ بہ سلسلہ:- تاسید ناغوث اکظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔

سلسلہ بہ سلسلہ:- تاسید الشہداء امام حسین۔ از امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ از سید المرسلین

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دوم:- سلسلہ قادریہ آبا قریہ۔ مثل اول:- تاسید البرکات سید شاہ برکت اللہ قادری

مارہروی۔ از سید شاہ اولیس بگرمای مارہروی۔ از سید شاہ میر عبدالواحد بگرمای، مؤلف ”صبح سنابل

“۔ سلسلہ بہ سلسلہ:- تاسید ناغوث اکظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔ سلسلہ بہ سلسلہ:- تاسید ناغوث

بصری۔ از امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ از سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سوم:- سلسلہ قادریہ رزاقیہ۔ مثل اول:- تاسید شاہ حمزہ مارہروی۔ از سید شاہ اسماعیل بگرمای

مکتوبی۔ از سید شاہ عبدالرزاق قادری بانسوی۔ از سید عبدالصمد خدائما احمد آبادی۔ سلسلہ بہ

سلسلہ:- تاسید ناغوث اکظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔ الیٰ آخیر السلسلہ۔

چہارم:- سلسلہ قادریہ رزاقیہ، النواریہ۔

امام احمد رضا بریلی۔ از خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قادری مارہروی۔ از مولانا

نور الحق فرنگی محلی لکھنوی بہ معروف۔ مثلاً نور۔ از مولانا نور الحق فرنگی محلی بہ معروف۔ مثلاً انوار۔ از

مولانا احمد عبدالحق فرنگی محلی۔ از سید شاہ عبدالرزاق قادری بانسوی۔ الیٰ آخیر السلسلہ الثانیہ۔

پنجم:- سلسلہ عالیہ قادریہ مکتوبیہ معزریہ۔

امام احمد رضا بریلی۔ از نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی۔ از حافظ عارف

علی حسین مراد آبادی۔ از شیخ ملک پارخاں۔ از شیخ عبدالکریم۔ از شاہ مکتوب از شیخ شاہ دولہ۔ از

سید ناغوث اکظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔

سلسلہ بہ سلسلہ:- تاسید ناغوث اکظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی۔ از امام علی رضا۔ الیٰ

آخر السلسلہ الاولیٰ۔ و ہذہ السلسلہ اقرب السلاسل۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی نے فرمایا کہ:

یہ سلسلہ قریب ترین سلسلہ عالیہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت شاہ دولہ قدسِ سبوتہ نے پانچ

سو (۱۰۰) سال یا اس سے زیادہ عمر پائی اور حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی زیارت سے

مشرف ہوئے۔
اس سلسلے میں حضرت مولانا احمد رضا بریلوی سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کل پچیس (۲۵) واسطے ہیں۔
اور اس سلسلے کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں دس (۱۰) ائمہ اظہار ہیں۔ وضو اللہ علیہم اجمعین۔ (ص ۱۷۱) حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، مطبوعہ ممبئی)
ششم۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ قدیمہ۔ مثل سلسلہ دوم۔ تا مخدوم جہانیاں۔
سید نصیر الدین محمود چراغ دہلی۔ سلطان المشائخ محبوب الہی نظام الدین اولیا۔ سید فرید الدین مسعود گنج شکر۔ خواجہ قطب الدین، مختار کاکی دہلوی۔ سلطان احمد خواجہ معین الدین، چشتی اجمیری۔ سلسلہ بہ سلسلہ۔ تا خواجہ حسن بصری۔ از امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ از سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔
ہفتم۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ جدیدہ۔ مثل سلسلہ اولیٰ۔ تا شاہ جمال الاولیا، کورہ جہان آبادی۔ سید جلال بخاری، معروف بہ مخدوم جہانیاں۔ سلسلہ بہ سلسلہ۔ تا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ الیٰ آخو السلسلہ۔
ہشتم۔ سلسلہ عالیہ سُہروردیہ قدیمہ۔ مثل سلسلہ چشتیہ قدیمہ۔ تا مخدوم جہانیاں۔
نہم۔ سلسلہ عالیہ سُہروردیہ جدیدہ۔ مثل سلسلہ چشتیہ جدیدہ۔ تا حضرت جمال الاولیا۔
شیش قیام الدین۔ از شیخ قطب الدین از شیخ اوسن جون پوری۔ از شیخ بہاء الدین۔ از شیخ علاء الدین۔ از سید جلال بخاری، معروف بہ مخدوم جہانیاں۔ الیٰ آخو السلسلہ العالیۃ الشہرہ و رُدیۃ القدیمہ۔
دہم۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ صدیقیہ۔ مثل قادریہ جدیدہ۔ تا سید محمد کاچوری۔
شع ابو الاعلا اکبر آبادی۔ سلسلہ بہ سلسلہ۔ تا سلمان فارسی۔ از امیر المومنین ابوبکر صدیق۔ از سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وسلم۔

یازدہم۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ علویہ صدیقیہ۔ تا امام جعفر صادق۔ الیٰ آخو السلسلہ۔
دوازدہم۔ سلسلہ عالیہ بدیعہ مدارییہ۔ مثل قادریہ جدیدہ۔ تا جمال الاولیا۔ الیٰ آخو السلسلہ۔
سیر دہم۔ سلسلہ عالیہ علویہ صدیقیہ۔
حضرت مولانا احمد رضا بریلوی۔ از خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی۔ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ از امیر المومنین علی مرتضیٰ۔ از سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔
نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی نے فرمایا کہ:
حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فہدیس بسوۃ خواب میں زیارت مولائے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مشرف ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے شرف بیعت سے مشرف فرمایا جائے۔
مولائے کانکات علی مرتضیٰ نے دست مبارک پھیلا یا اور ان کو بیعت سے مشرف فرمایا۔
اس واقعہ کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک مستقل رسالہ میں بہت ہی مفصل تحریر فرمایا ہے۔
فقیر جامع حالات (محمد ظفر الدین قادری رضوی) کہتا ہے کہ:
یہ طریقہ نامیہ، سب طریقوں سے قریب تر ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ حضرت فہدیس بسوۃ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین (۳) واسطے ہوتے ہیں۔
ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔
(ص ۸۱) حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ ممبئی)
حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی۔ اہل ملفوظہ حصہ سوم مرتبہ بی اعظم مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی خلیفہ اصغر امام احمد رضا بریلوی سے نقل کرتے ہیں کہ امام احمد رضا نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:
”ایک دن میں رہتا ہوا دو پہر کو سو گیا۔ دیکھا کہ حضرت خدیجہ امجد (مولانا مفتی رضا علی بریلوی) کرضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوق عطا فرمائی اور فرمایا:
”مغزیہ آپ نے والا ہے وہ شخص جو تمہارے درودوں کی دوا کرے گا۔“
دوسرے یا تیسرے دن حضرت مولانا عبدالقادر صاحب (بدایونی) رحمۃ اللہ علیہ

صدقہ ان انجیال کا دے چھین، عزو علم عمل
عفو و عرفاں، عافیت، احمد رضا کے واسطے

مذکورہ بالا منظوم شجرہ مبارکہ نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی

عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ:

مُحِبِّ رَسولِ تَبَاجُ لُحولِ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب بدایونی قُدسِ سِرُّہ، بلکہ ان کے والد حضرت مولانا شاہ معین الحق افضل رسول صاحب قُدسِ سِرُّہ اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عینی الحق عبد الجبار صاحب قُدسِ سِرُّہ کو بیعت، مارہر شریف سے ہے۔ اس لئے مُریدانِ حضرت تاج لُحول بدایونی کی فرمائش پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا) نے ایک شعر بڑھا دیا جو شمس الملت و الدین حضرت شاہ ایچھی میاں (قادری مارہروی) قُدسِ سِرُّہ کے نام نامی کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت مولانا شاہ عبد الجبار صاحب قُدسِ سِرُّہ کو حضرت ایچھی میاں قُدسِ سِرُّہ سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ وہ شعر یہ ہے:

یا مُعینِ یا عینِ یا عینِ و مُعینِ کے نورِ عین

عہدِ قادری میرے مُرشدِ رہنما کے واسطے

ہم لوگ متوسلین بارگاہِ رضویہ اعلیٰ حضرت قُدسِ سِرُّہ کی حیات میں اسی طرح پڑھا کرتے تھے جیسے اعلیٰ حضرت نے نظم فرمایا۔ اور اس کتاب میں درج ہے۔

اور مقطع کا یہ مطلب لیتے تھے کہ خدا وندا!

بہر کتبِ پیرو مُرشدِ برحق حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب، ہم لوگوں کو چھین، عزو، علم و عمل، عفو و عرفاں، عافیت عطا فرما۔

جب بروز جمعہ مبارکہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ، اعلیٰ حضرت کا وصال ہوا۔ اور چچہ الاسلام حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب خلیف اکبر، اعلیٰ حضرت کے جانشین ہوئے تو ایک شعر انھوں نے اعلیٰ حضرت کے نام نامی کا اضافہ فرمایا۔

کر عطا احمد رضا نے احمد مُرسل مجھے

میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے

اور مقطع میں بجائے ”احمد رضا“ ”اَس بے نوا“ بنادیا۔ اور اس کو اس طرح پڑھنے لگے:

بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہر شریف لے گئے۔ وہاں جا کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ”(ص ۹۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اپنے مُرشدان و مشائخ مارہرہ کی متابعت میں امام احمد رضا بھی ”سلسلۃ اللہب“ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کیا کرتے تھے۔ آپ کا نظم کیا ہوا یہ شعر، اہل عقیدت و ارادت میں مقبول اور شہرہ آفاق ہے۔ جس میں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے سارے مشائخ کبار کا درجہ بدرجہ ذکر ہے۔ یہ منظوم شجرہ فنِ بدیع اور شاعری کا بیخِ مبلغِ نمونہ ہے:

یا الہی! رحم فرما، مصطفیٰ کے واسطے

مُشکلیں حل کر بغیرِ مُشکلِ گمشا کے واسطے

سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے

صدقِ صادق کا صدقِ صادق، صادق الاسلام کر

بہر معرفتِ مرئی معرفتِ دے بہ خود مرئی

بہر شعلِ شیرِ حق، دینا کے کتوں سے بچا

بو القرح کا صدقہ، کُفرِ کفرِ حق، دے خُشن و سعد

قادری کہ قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا

اَحْسَنَ اللہ لَکَ رِزقا دے دے رِزقِ کُشن

نُصْرانی صالح کا صدقہ، صالح و مُنصور رکھ

طویرِ عرفان و علو و حمد و حُسنی و بہا

بہر ابراہیم مجھ پر نثارِ غم گلزار کر

خاندنِ کویا دے، ہوئے ایمان کو جمال

دے محمد کے لئے، ہر روزی کرا محمد کے لئے

دینِ دینا کی مجھے، برکاتِ دے برکات سے

حُجَّتِ اہل بیت دے، آلِ محمد کے لئے

دل کو اچھا، تن کو سُختر، جان کو پُر نور کر

دو جہاں میں خادمِ آلِ رسول اللہ کر

صمدت ان اعمال کا دے، چھین علم عمل
غفور غفار عافیت، اس بے نوا کے واسطے
(ص ۵۴ تا ۵۶) حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ ممبئی

امام احمد رضا کی حیات و خدمات اور آپ کے احوال و آثار سے واقف حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ عشق و محبت رسول اور اتباع شریعت و سنتِ رسول آپ کا سرمایہ افتخار تھا۔ جس کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت مولانا بھی احمد مجتہدؒ سورتی مفتی لطف اللہ علی گڑھی و مولانا احمد علی مجتہدؒ سہارن پوری و خلیفہ شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی سے آپ کے آخری تلمیذ مجتہدؒ اعظم مولانا سید محمد مجتہدؒ اشرفی کچھوچھوی نے عرض کیا کہ: آپ کو شریف بیعت حضرت مولانا شاہ فاضل رحمن، گنج مراد آبادی (تلمیذ مولانا نور الحق فرنگی محلی مفتی ظہور اللہ فرنگی محلی و شاہ عبدالعزیز مجتہدؒ دہلوی و خلیفہ شاہ محمد آفاق مجتہدؒ دیوبلی) سے ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰ حضرت سے ہے وہ کسی سے نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کی یاد، ان کا تذکرہ، ان کے فضل و کمال کا خطبہ، آپ کی زندگی کے لئے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا روحانی و عرفانی جواب دیتے ہوئے حضرت مجتہدؒ رسوتی نے ارشاد فرمایا کہ: وہ ایمان جو مدارِ نجات ہے، نہیں نے صرف اعلیٰ حضرت سے پایا۔ اور میرے دل میں پوری عظمت کے ساتھ، مدینہ کو بسانے والے اعلیٰ حضرت ہیں۔ اسی لئے ان کے تذکرہ سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان کے ایک ایک کلمہ کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت جانتا ہوں۔“ (ص ۵۴ تا ۵۵) حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ ممبئی

اہتمامِ فرائض کا امام احمد رضا کو اتنا پاس و لگا نظر تھا کہ زندگی کے آخری دور میں جب کہ علالت اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے اپنے دولت کہہ کی قریب ترین مسجد تک پیدل جانا مشکل ہو گیا تو آخر وہ خُجّہ ام، اوقاتِ نماز میں آپ کو کرسی پر لے کر مسجد جاتے اور آپ مسجد ہی میں باجماعت نماز ادا کرتے۔ یعنی آخری حد تک کوشش کر کے مسجد ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح جب اپنی بیماری و کمزوری کے باعث بریلی میں رہ کر ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور وہ بھی سخت گرمی میں اتنا دشوار ہو گیا کہ اس عذر نے قیامِ بریلی کے دوران آپ کے حق

میں فرضیتِ روزہ کو مشکوک بنادیا تو آپ کو وہ بھوالی (نینی تال) جا کر رمضان کے روزے کی فرضیت اپنے حق میں پہنچ بنالیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کے برادر زادہ و تلمیذ و خلیفہ مولانا حسنین رضا بریلیوی (وصال ۱۴۰۱ھ دسمبر ۱۹۸۱ء) بن مولانا حسن رضا بریلیوی (ولادت ۱۲۷۶ھ وصال ۱۳۳۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”استاذِ اعلم مولانا نعیم الدین مراد آبادی صاحبِ قلبہ نے یہ خیال کیا کہ: یہاں (بریلی میں) گرمی اور علالت و نقاہت کے سبب رمضان المبارک میں ان پر روزوں کی فرضیت مشکوک ہو جاتی تھی اس لئے وہ روزوں سے کچھ ہی پہاڑ پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس دوران، علالت کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے کہ پہاڑ کی آب و ہوا اور مرض کی دوا، دونوں کے اثر سے خداوندِ عالم اتنی توانائی دے دے کہ روزے کی فرضیت، شک کے درجے سے نکل کر یقین کے مرتبہ میں آجائے۔

قرآن بتاتے ہیں کہ سیفر و دین سال تک جاری رہا اور اسی لئے ہوا۔ ان کی عمر کے آخری رمضان المبارک تک مسلسل جاری رہا۔“ (ص ۱۳۳ تا ۱۴۲) سیرتِ اعلیٰ حضرت۔ مؤلفہ مولانا حسنین رضا بریلیوی۔ مطبوعہ مکتبہ مشرق، کراٹرولہ، بریلی۔ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

صوم رمضان اور علالت و تنہائی آپ کو ہوا کے سلسلے میں آپ اپنی زندگی کے آخری رمضان (۱۳۳۹ھ) میں بھی کوہِ بھوالی (نینی تال) تشریف لے گئے تھے۔ جہاں سے ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو واپس بریلی تشریف لائے۔

”یومِ وصال، صبح سے تمامِ اجل جانکوار اور تولیت وغیرہ طے فرمائے۔“ (۱۴) بیچ کر نہیں (۲۰) منہ پر وصایا تشریف، خلیفہ اصغر مفتی اعظم مولانا مولوی حاجی شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں مَدُّ ظِلِّہُ الْعَالِی سے لکھوائے۔

اور آخر میں بہ حالتِ صحیح ہوش و حواس۔ وَاللّٰہُ شَہِیْدُ۔ خود دستِ حق پرست سے ارتقام فرما کر دستِ خُشبت فرمائے۔

..... اب وصایا تشریف کے صرف دو گھنٹے اٹھارہ منہ باقی تھے۔ اس عرصے میں خلیفہ اکبر، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب نے حسبِ الحکمِ صوم و کس و سورۃ تغذہ تلاوت فرمائی۔ اس وقت بھی ہوش و حواس کا یہ عالم تھا کہ درمیان تلاوت، دو ایک جگہ اعرابی غلطی کی صحت

فرمانی۔ بعد وہ دعائیں جو سفر کے وقت پڑھنے کا معمول تھا انھیں آپ نے شروع فرما دیا۔
 (ملخصاً ص ۲۸۰ و ص ۲۸۱۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مطبوعہ بمبئی)
 ”یہ کریمہ و یطائف علیہم بآئینہ من فضۃ و اکو آب۔“
 بسا اوقات نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔
 جمعہ وصال سے ما قبل جمعہ میں بوقت حاضری مسجد، صراف ارشاد فرمایا تھا کہ:
 آج کرسی پر حاضری ہوئی ہے، آئندہ جمعہ چارپائی پر ہوگا۔“
 (ص ۲۸۰۔ حیات اعلیٰ حضرت۔ حصہ سوم)
 یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ امام احمد رضا کے سال وصال (۱۳۴۰ھ) کے تاریخی لفظ و یطائف علیہم بآئینہ من فضۃ و اکو آب۔
 اور آیت مذکورہ کو بغیر واو کے پڑھا جائے تو اسی آیت کریمہ سے حضرت مولانا وحی احمد مجتہد سورتی کے سال وصال (۱۳۳۲ھ) کا تاریخی لفظ نکلتا ہے۔
 حضرت مولانا وحی احمد مجتہد سورتی ختم پبلی بھیتی (وصال ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ ۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء) پہلی بھیت۔ ریٹیل کھنڈ۔ موجودہ صوبہ یوپی) اہل سنت و جماعت کے جلیل القدر عالم و مجتہد و فقیہ تھے۔
 امام احمد رضا اور مجتہد سورتی کے دینی و روحانی رشتہ کی فضیلت و کرامت پر مشتمل ایک مقدس واقعہ جاننے سے پہلے مجتہد سورتی کا یہ اجمالی اور مختصر تعارف پڑھ لینا بے حد ضروری ہے۔
 مجتہد سورتی نے ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ فیض عام کانپور میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی تلمیذ مفتی عنایت احمد کانپور سے تعلیم پائی۔ یہ ۱۲۷۹ھ کی بات ہے۔ مولانا احمد حسن کانپوری آپ کے ہم سبق ساتھی تھے۔ فیض عام کانپور سے ۱۲۸۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔
 اویس زمانہ، مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی تلمیذ مولانا نورالحق قرنی محلّی کھنوی وشاہ عبدالعزیز مجتہد دہلوی و خلیفہ شاہ محمد آفاق نقشبندی مجتہد دی دہلوی کے مرید و خلیفہ ہوئے۔
 علم حدیث میں شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی کے علاوہ مولانا احمد علی مجتہد سہارنپوری (متوفی ۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ ۱۹ اپریل ۱۸۷۹ء) تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی نواسہ شاہ عبدالعزیز

مجتہد دہلوی سے تلمذ و اکتساب کیا۔
 شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی (وصال ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ) کا ایک سو پانچ (۱۰۵) سال کی عمر میں وصال ہوا۔ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ میں حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے بھی گنج مراد آباد (موجودہ ضلع ناٹو۔ صوبہ اتر پردیش) پہنچ کر آپ سے ملاقات و گفتگو کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ کے دادا حضرت مولانا مفتی رضاعلی بریلوی کو اویس زمانہ، شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی سے ہی بیعت و اجازت حاصل تھی۔ جن کے والد مکرم حافظ کاظم علی خاں بریلوی کو حضرت مولانا شاہ نورالحق قرنی محلّی کھنوی سے بیعت و اجازت حاصل تھی۔
 مولانا شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی نے مولانا وحی احمد مجتہد سورتی کی استعداد و صلاحیت اور ذوق و شوق دیکھ کر آپ کو اپنے حلقہ درس میں شامل کر لیا تھا۔ حضرت گنج مراد آبادی کے خلفائے مجتہد سورتی کے علاوہ مولانا عبدالکریم گنج مراد آبادی، مولانا احمد میاں، گنج مراد آبادی، مولانا قادری رام پوری، مجتہد مولانا ہدایت رسول رام پوری۔ سید جماعت علی شاہ مجتہد علی پوری سیالکوٹی، مولانا سید دیدار علی انوری خٹم لاہوری کے اسامے گرامی نمایاں ہیں۔
 مجتہد سورتی نے آٹھ (۸) سال تک مدرسہ فیض عام کانپور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۹۳ھ میں آپ نے حافیہ سنائی مکمل کیا۔ مولانا نجم الدین کانپوری۔ مولانا حکیم مومن سجاد کانپوری آپ کے تلامذہ ہیں۔
 مجتہد سورتی اور آپ کے بھائی مولانا عبداللطیف سورتی، تحصیل علم کے شوق میں اپنے وطن ”مسورت“ (گجرات) سے چل کر پہلے مدرسہ خُسین بخش ہمایا محل، دہلی پہنچے۔ کچھ دنوں کی تعلیم کے بعد کانپور کا رخ کیا۔
 مولانا عبداللطیف سورتی، نے کانپور کے زمانہ قیام میں حکیم خلیل الرحمن پہلی بھیتی کے مشورہ پر پہلی بھیت (ریٹیل کھنڈ۔ موجودہ صوبہ اتر پردیش) میں شادی کر لی تھی اور وہیں سکونت بھی اختیار کر لی تھی۔ مولانا عبداللطیف سورتی کی خواہش و اصرار کی وجہ سے مجتہد سورتی بھی پہلی بھیت ۱۲۹۷ھ میں پہنچ کر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اور مدرسہ حافظ العلوم واقع جامع مسجد پہلی بھیت کے پندرہ (۱۵) سال تک شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد ”مدرسۃ الحدیث“ کے نام سے ۱۳۱۲ھ میں ایک درس گاہ قائم کر کے درس حدیث میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد حضرت

کان پوری (۱۷) مولانا حافظ محمد سلیمان محمود آبادی (متوفی ۱۳۷۱ھ۔ محمود آباد۔ آودھ)
 (۱۸) مولانا محمد شفیع بیگل پوری، پہلی بھتیجی (ولادت ۱۳۰۱ھ۔ وصال ۲۲ رمضان
 ۱۳۳۸ھ) (۱۹) مولانا مشتاق احمد کان پوری (ولادت ۱۲۹۵ھ۔ وصال ۲۹ رمضان ۱۳۶۰ھ
 ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء) فرزند مولانا احمد حسنی کان پوری (۲۰) خوجہ سید مصباح الحسن چھوٹو دی
 (ولادت ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ۔ وصال ۱۱ رمضان ۱۳۲۸ھ) (۲۱) مولانا ثناء احمد کان پوری
 (ولادت ۱۲۹۷ھ۔ ۱۸۸۰ء۔ وصال اپریل ۱۹۳۱ء)

امام احمد رضا بیوی اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال بھی کوٹہ بھوالی (نہیں تال) تشریف
 لے گئے تھے اور ۱۲ محرم الحرام ۱۳۰۴ھ کو وہاں سے بریلی واپسی ہوئی۔ محبین و مخلصین کی آمد شروع
 ہو گئی اور آستانہ رضویہ پر لوگوں کا جھوم ہونے لگا۔ مُرید ہونے کی نیت سے آنے والے انٹرین
 کا تانتا بندھ گیا۔ آپ نے اپنے دونوں صاحب زادگان، چچہ الاسلام مولانا حامد رضا بیوی و
 مصطفیٰ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوروی بریلیوی کو حکم دیا کہ میری طرف سے آپ انھیں مُرید کر لیں۔
 یوم وصال (جمعہ ۲۵ صفر) سے دو روز قبل جناب حکیم حسین رضا خاں نے آپ کی نبض
 دیکھی تو ڈوب چکی تھی۔ انھوں نے گہرا کر عرض کیا کہ: کمزوری کے سبب نبض نہیں ملتی۔“

آپ نے ارشاد فرمایا: آج کیا دن ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ: آج
 چہارشنبہ ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

”جمعہ، پڑھو ہے۔ اور یہ فرما کر کھف افسوس ملتے جاتے اور حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ
 پڑھتے جاتے۔“ (ص ۱۲۲ھ۔ سیرت اعلیٰ حضرت۔ مصحفہ مولانا حسنین رضا بریلیوی۔ مکتبہ مشرق
 ، کم کوٹہ۔ بریلی۔ ۱۳۰۳ھ۔ ۱۹۸۳ء)

مدرسہ منظر اسلام، بریلی کے درجات عالیہ کے ایک استاذ تھے مولانا اکرام الحق لنگوٹی
 تعلیم حکیم سید برکات احمد ٹوٹی تعلیم مولانا عبدالحق خیر آبادی۔ جن کا ایک واقعہ مولانا حسنین رضا
 بریلیوی بیان کرتے ہیں کہ میں ان سے ملنے کے لئے گیا۔ اس کے بعد کا واقعہ انھیں کی زبانی اس
 طرح مذکور ہے:

”ان کو ان کے بستر پر رضائی میں منہ لپیٹے، روتے ہوئے پایا۔ میں نے ان سے کہا کہ:

اعلیٰ حضرت قبلہ کو آج آثارِ صحت شروع ہو گئے تو آپ انھیں دیکھنے بھی نہ گئے؟

محدث سورتی نے اپنے مدرسہ کا نام ”مدرسۃ الحدیث“ تجویز فرمایا اور اس کا افتتاح نہایت شاندار
 طریقہ پر ہوا۔ افتتاحی تقریب میں دور دراز سے علمائے شریعت کی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلیوی
 قُدس سرور نے افتتاح کے موقع پر فرین حدیث کے موضوع پر تقریر بیا تین (۳) گھنٹہ تقریر فرمائی۔“
 (ص ۱۵۵) تذکرہ علمائے اہل سنت۔ مطبوعہ کان پور۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

حضرت محدث سورتی اور امام احمد رضا کے درمیان بڑے گہرے دینی و علمی و روحانی روابط و
 تعلقات تھے۔ آپ اکثر بغرض ملاقات، پہلی بھیت سے بریلی آیا کرتے تھے۔ اسی طرح
 امام احمد رضا بھی گاہے گاہے، پہلی بھیت جایا کرتے تھے۔

حضرت محدث سورتی کے چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی (وصال ۲ ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) (۲) مولانا
 سید خادم حسین محدث علی پوری سیالکوٹی (وصال ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء) (۳) پروفیسر سید سلیمان
 اشرف علی گڑھی (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) (۴) محدث اشاعہ سید محمد محدث اشرفی کچھوچھو
 (وصال ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) (۵) قاضی خلیل الدین حسنین حافظ پہلی بھیت (وصال ۷ رجب
 ۱۳۲۸ھ/۹ دسمبر ۱۹۴۹ء) (۶) مولانا حبیب الرحمن پہلی بھیت (وصال ۱۴۴۳ء) (۷) مولانا
 ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی (ولادت ۱۲۹۲ھ بمقام خاٹاش والا، سیالکوٹ، پنجاب۔ وصال
 ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔ مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ) (۸) مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی
 (وصال ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) (۹) ابوالساکین مولانا ضیاء الدین پہلی بھیت (وصال ۲۸ محرم
 ۱۳۶۲ھ) (۱۰) مولانا عبدالحق محدث پہلی بھیت (۱۱) مولانا عبدالحق پہلی بھیت (متوفی یکم جون
 ۱۹۴۰ء) فرزند مولانا عبدالمطیف سورتی پہلی بھیت (۱۲) مولانا عبدالحق میر محمد ثبوتی، استاذ
 مدرسہ منظر اسلام، بریلی (وصال ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ۔ مدفون بریلی) (۱۳) مولانا
 عبدالقدیر میاں پہلی بھیت (ولادت ۱۶ رجب ۱۳۱۰ھ۔ بمقام تورڈھیر ضلع مردان۔ صوبہ
 سرحد۔ وصال دوشنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ/۷ مئی ۱۹۶۲ء۔ مدفون درگاہ بصیرت۔ پہلی بھیت
) فرزند حضرت شاہ عبدالصیر میاں پہلی بھیت و مرید و خلیفہ حضرت شیر میاں پہلی بھیت۔ (۱۴)
 مولانا عزیز الحسن پچھوٹو دی (وصال ۱۳۶۲ھ) (۱۵) مولانا قاری غلام محی الدین پہلی بھیت،
 نمبر ۶ حضرت شاہ جی شیر میاں پہلی بھیت۔ (۱۶) حافظ محمد احسن کان پوری فرزند اصغر مولانا احمد حسن

اس پر ان کی بچی بندھ گئی اور زیادہ رونے لگے۔ میں نے انھیں چپ کرایا اور رونے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے اپنا خواب سنایا۔ فرمایا کہ:

”میں نے آج ہی صبح صادق کے وقت دیکھا ہے کہ بہت سے علما و اولیا ایک جگہ جمع ہیں اور وہ سب رنجیدہ اور مغموم معلوم ہوتے ہیں۔“

میں نے رنج و غم کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ:

”آج مولانا احمد رضا خاں صاحب، دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔“

انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس دورِ ناز و نیاز میں اعلیٰ حضرت کا دنیا سے جانا ان حضرات پر گراں تھا۔

ان میں سے بعض میرے دور کے وہ حضرات بھی تھے جن میں نے پہچانا۔ میں نے ان کی زیارت کی ہے۔“

میں مولوی اکرام الحق صاحب مرحوم کے اس خواب کو خواب کہہ کر ٹاٹا رہا اور ان کے دل سے اس صدمہ کو ہٹاتا رہا۔ بالآخر انھوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ:

”میں علما و صلیح کے اس جم غفیر کے مقابلے میں آپ کے تمہنی خیال کی تائید نہیں کر سکتا۔“

(ص ۱۲۵ و ۱۲۶۔ سیرت اعلیٰ حضرت۔ مصنفہ مولانا حسین رضا بریلوی)

جس جسد کی دو پہر کو آپ کا وصال ہوا اُس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حسین رضا بریلوی بردار زادہ اکام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی لکھتے ہیں:

”سب سے پہلے آپ نے مفتی اعظم سے گل جانکا و کا وقف نامہ لکھوایا۔ خود اس کا مضمون بولتے جاتے اور مفتی اعظم لکھتے جاتے۔

جب وقف نامہ لکھا گیا تو خود ملا حظہ فرما کر اس پر دستخط ثبت فرمایا۔ وقف نامہ میں جانکا و کی چوتھائی آمدنی، مصرفِ خیر میں رکھی اور تین چوتھائی آمدنی یہ حصص شرعی، ورثہ پر خیر مادی۔“

(ص ۱۲۶ و ۱۲۷۔ سیرت اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بریلی ۱۹۸۳ء)

”بارہ بجے دن کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ نے جانکا و کا وقف نامہ لکھوایا۔ اور اپنے دستخطوں سے مزین فرمایا۔

اس کے بعد حضرت چچو الاسلام سے سورہٴ تہذہ پر صوفائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے

رہے۔ پھر یسٹ شریف پر صوفائی۔

دوبجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا۔ پانی پی کر کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد اسم جلاّت، اللہ اللہ کا ورد فرمایا۔ یہاں تک کہ دونج کر آڑتیں منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح پاک اپنے رفیقِ اعلیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

(ص ۱۲۸۔ سیرت اعلیٰ حضرت، مطبوعہ بریلی)

بوقتِ دونج کر آڑتیں منٹ، بروز جمعہ، بتاریخ ۲۵ صفر الحظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا کا وصال ہوا۔

امام احمد رضا اور محدثِ سورتی عَلَیْہِمَا الرَّحْمَۃُ وَالْوَرْضَوَان کے علاقہ محبت و ارتباطِ باہمی میں ان حضرات کے علم و فضل کے ساتھ اتباعِ شریعت و سُنّت و شفقتِ رسول کا خاص دخل ہے۔ اور حدیثِ رسول ان دونوں کی غذائے قلب و روح ہے۔

محدثِ سورتی کے آخری ایامِ حیات میں صدرُ الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رضوی کے بھیجے مولانا عبدالسلام آپ سے ترمذی شریف پڑھا کرتے تھے۔ اپنی بے پناہ کمزوری و ضعف و نقاہت کے باوجود محدثِ سورتی نے ترمذی پڑھانا متحرک نہیں کیا۔ اور جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور بغرض علاج حکیم عابد علی کوثر کے پاس سینٹا پور گئے جہاں علاج و معالجہ کے باوجود جب کچھ افاقہ نہ ہوا تو بریلی آ گئے۔ یہاں بیس بچیس روز آپ کا قیام رہا۔

اس وقت بھی حالتِ اسی تھی کہ انتہائی کمزوری کے سبب غشی طاری رہتی۔ دو اہل نماز، غدا اور فراغِ حاجت کے لئے بیدار کیے جاتے تو ہوش آتا۔ اس حالت میں بھی درسِ حدیث جاری رہتا۔ حدیث کا سبق بند نہ ہوا۔ اس کے لئے سخت کھم تھا کہ:

جب مولوی عبدالسلام آئیں تو مجھے ضرور بیدار کر کے، گائیکہ کے سہارے بٹھا دیا جائے۔“

مولانا حسین رضا بریلوی لکھتے ہیں کہ:

”پڑھانے کی شان یہی تھی کہ محدثِ سورتی صاحب، گائیکہ کے سہارے بٹھا دیے جاتے اور مولوی عبدالسلام صاحب ترمذی شریف کی عبارت پڑھنا شروع کرتے۔

جتنی دیر عبارت پڑھتے۔ ایک آدمی شانے کپڑے بٹھا رہتا۔ محدث صاحب میں تو اتنی آنا شروع ہو جاتی۔ یہاں تک کہ حسبِ ضرورت بڑی آواز سے مطالبِ حدیث بیان فرماتے۔

اُس وقت دیکھنے والے کو محبتِ سورتی کے ایسے شدید مرض اور کمزوری میں مبتلا ہونے کا گمان بھی نہ ہوتا۔ اور جیسے ہی سہتی ختم ہوا۔ انھیں لگانے کے لئے دوا دی درکار ہوتے۔ میں نے کئی روز یہ کرامت بتوسط حدیث و اعجازِ رسالت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میں اول سے آخر تک محبتِ صاحبِ کائنات اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتا کہ ماجرا کیا ہے؟

بالا آخر یہ ماننا پڑا کہ حدیثِ شریف ان کی غذا اور روح ہو گئی ہے۔ اندازِ قویہ یہ ہوتا ہے کہ محبتِ سورتی صاحبِ بریلی میں دفن ہونے کے ارادے سے آئے تھے مگر ان کے پس ماندگان انھیں اسی حالت میں پہلی بھیت لے گئے۔ کمزوری انتہا پہنچی ہوئی تھی۔ وہاں جا کر وصال ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے جنازے میں شرکت کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے محبتِ سورتی کے وصال کے پانچ چھ سال بعد ان کی تاریخِ وصال لکھی ہے۔ وہ بھی یوں کہ اپنے وصال سے چار ماہ انھیں روزِ قیل جب کہ علامت کی وجہ سے بھول پھاڑ (یعنی تال) پر تشریف لے گئے اس وقت اپنی تاریخِ وصال حسبِ ذیل آئے کریمہ سے نکالی:

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ۔ (۱۳۴۰ھ)
اس آیت کریمہ کے پہلے حرف ”و“ کو اس طریقہ سے علاحدہ رکھا کہ تحریر فرمایا ہے کہ اس محبتِ سورتی کی تاریخِ وصال ہو گئی۔ (یعنی ۱۳۳۲ھ)

یہ آئے کریمہ اسی تصریح کے ساتھ اب بھی ایک رجسٹر میں موجود ہے۔ جس میں اور بہت سی یادداشتیں ہیں۔“

(ص ۱۱۰۔ سیرتِ اعلیٰ حضرت۔ مصنفہ مولانا حسین رضا بریلوی)
مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ: ایک روز اعلیٰ حضرت قدسِ بسوہ کی مجلس میں محبتِ سورتی کا ذکر چھڑ گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

”میں نے حضرت محبتِ صاحب کی تاریخِ وفات آئے کریمہ سے پائی۔ جس سے ان کا مرتبہ بھی معلوم ہوتا ہے پھر آئے کریمہ تلاوت فرمائی۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ۔

اسی وقت میں (ظفر الدین) نے آئے کریمہ کے اعداد جوڑے تو ۱۳۳۲ھ نکلے۔

میرے دل میں ایک کھٹک تھی جس کو کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے اس

پر طرح ہو کر فرمایا: کیا کچھ کہنا چاہتے ہیں؟

اتنا اشارہ پا کر میں نے عرض کیا: آئے کریمہ و یطاف ہے۔

اس پر برم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ:

پوری آیت اُس بندہ خدا کی تاریخ ہوگی جس کا انتقال چھ سال بعد ۱۳۴۰ھ میں ہوگا۔“

اس وقت میرا ذہن، حضورِ اعلیٰ حضرت کی طرف نہ گیا۔ لیکن جب حضور کا وصال ۱۳۴۰ھ

میں ہوا، معانیٰ خیال آیا کہ اعلیٰ حضرت نے اس دن اپنی ہی طرف اشارہ فرمایا تھا مگر میں سمجھ نہ سکا۔

نمبر ۶ محبتِ سورتی جناب مولانا قاری احمد علی بھٹی صاحبِ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وصال شریف کے بعد جب اعلیٰ حضرت کو غسل دینے کے لئے بستر سے اٹھایا گیا تو

سر ہانے سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔ جس پر سورہ دہرہ کی یہ آئے کریمہ لکھی ہوئی تھی:

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ۔

نیچے لکھا ہوا تھا۔ اگر اس آیت کو ”و“ سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے

اور اگر بغیر ”و“ کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وحی احمد محبتِ سورتی کے انتقال کی تاریخ نکلتی

ہے۔“ (ص ۸۷۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، حصہ سوم۔ مؤلفہ مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی)

امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدسِ بسوہ کے سانچہ ارتحال کی نمایاں خبر متعدد

اخبارات و رسائل میں شائع ہوئی۔ ارکانِ جماعتِ رضا مصطفیٰ، بریلی کی جانب سے اخبار ”

دہدہ سکندری“ رام پور میں بعنوان ”جہانِ لغز گیا“ موٹ العالم موٹ العالم“ نیز شائع ہوئی:

”۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ۔ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء۔ جمعہ کے روز، دو بج کر اڑتیس منٹ پر اسلام

کے پیشوائے اعظم ہمتوائے فضلاء عالم، ”مباۃ حاضره“ کے محبتِ دہمدت طاہرہ کے مؤید،

اعلیٰ حضرت، جلیل المرتبت۔ مولانا مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خاں صاحبِ قادری برکاتی

قدسِ بسوہ نے ذکرِ الہی کے ساتھ عالمِ بقا کی طرف رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مسلمانانِ عالم کے قلوب، بے چین ہیں۔ بریلی میں گھر گھر ماتم کہہ رہا ہوا ہے۔ جاہِ جا

سے افاضل و افاضل، دینِ جمال کے دیوانے ہو کر دوڑے اور ۲۶ صفر کی صبح کو بجے کے بعد اس

امامِ اسلام کا جنازہ اٹھا۔

آرمیوں کی وہ کثرت تھی کہ سوائے عید گاہ (بریلی) کے کسی اور مقام میں نمازِ جنازہ

کا ادا کرنا ممکن نہ معلوم ہوا۔ وسیع سڑکوں اور بلند یوں پر چڑھ کر کیٹے سے جہاں تک نظر جا سکتی تھی، انہو ہی انہو نظر آتے تھے۔

ایک بچے عید گاہ پہنچے اور بعد نماز ظہر، حضرت مولانا مولوی مفتی حاجی محمد حامد رضا خاں صاحب قبلہ ڈاکٹسٹ نے بعد تلقین ترکیب نماز جنازہ اور تکبیر سوم کے بعد وہ اذعیہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فتاویٰ مبارکہ میں تحریر فرمائیں اور معمولہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھیں، حسب وصیت پڑھیں۔ مقتدیوں کو بعد دعا کے آہستہ آہستہ آمین آمین کہنے کی ہدایت فرمادی تھی۔ پھر وہاں سے اسی شان و شوکت کے ساتھ واپس ہوئے۔

جنازہ کے سامنے نعت خوانی، درود شریف پڑھتے ہوئے محلہ سودا گران (بریلی) لائے اور حضرت مولانا مولوی شام محمد حامد رضا خاں صاحب کے مکان میں اس سڑ الہی اور دودھیت رتانی نے پردہ فرمایا۔ قریب مغرب، فتن سے فراغ ہوا۔ ”اخبار دہلیہ سکندری“ رام پور نمبر ۱۰۶ء ۱۹۲۱ء (ص ۲۹۷ و ۲۹۸) حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم)

”اخبار دہلی گزٹ“ علی گڑھ نے اپنی جانب سے ساخو ارجحال کی خبر بعنوان ”موت العالم موت العالم“ اس طرح شائع کی:

”ایک عالم کی موت ایک جہاں کی موت ہے“ نہایت درست ارشاد ہے۔

اور اس زمانے میں اس کا مصداق، حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی رحلت سے بہترین پایا جاتا جو ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء، روز جمعہ، پونے تین بجے سہ پہر کے قریب واقع ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مروجہ اپنے عہد کے فقیر المثل فقہ تھے۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کو تفسیر، حدیث، معقول، ریاضی، فلسفہ اور صہیت وغیرہ علوم کثیر پر مدلولی حاصل تھا۔

آپ کی تصانیف، سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جن میں سے بعض ضخیم ضخیم، کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کثیر ہے۔ جو عراق، عرب، ترکستان، افغانستان وغیرہ تک میں پھیلی ہوئی ہے۔

الکسرونی کی کتاب ”قانون مسعودی“ جو صہیت قدیم میں ایک نایاب کتاب ہے، اس کے نسخے والے دنیا میں ایک ہی دو ہیں۔ اور ان میں سے آپ بھی تھے۔

آپ کا فتویٰ ہمیشہ بے لاگ اور سیف قاطع ہوتا تھا۔

کبر سنی اور امراض گونا گوں کے باعث کچھ عرصہ سے صاحب فراش چلے آ رہے تھے۔

ضعف روز بہ روز بڑھتا جا رہا تھا۔ مگر مطالعہ و تخریر کا شغل آخر وقت تک جاری رہا۔

بہ فصل خدا فکر معاش سے فارغ ابال تھے اور معقول زمینداری رکھتے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ، اِنْتَزَاعًا فَيَسْزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ۔ لَكِنْ يَقْبِضُ الْعُلَمَاءَ حَتَّىٰ إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤْسَاءَ جَهْلًا فَيُسَلُّوْا اَفَاقِفُوْا بَعِيْرَ عِلْمٍ فَيَضَلُّوْا اَوْ اَضَلُّوْا۔

یعنی خدائے تعالیٰ، علم کو بندوں کے دلوں سے محو کر کے نہیں چھینے گا بلکہ علما کو اٹھالے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ، جاہلوں کو سردار بنائیں گے۔ جن سے مسئلے پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ تو جس طرح خود گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

انفس کہ مسلمانوں میں علما و اکابر کی تعداد روز بہ روز کم ہو رہی ہے اور جو فرد اٹھ جاتا ہے، اپنی نظیر نہیں چھوڑتا۔

مروجہ، سلسلہ قادریہ میں بیعت بھی کرتے تھے۔ خدان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، ”علی گڑھ گزٹ“ علی گڑھ۔ مطبوعہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۱ء۔

(ص ۳۲۱ و ۳۲۲) حیات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، مطبوعہ بمبئی)

علما و فضل و شعر ادا و بانے سال وصال (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے متعدد جگری و میسوی ملاے

کا بڑی عرق ریزی سے استخراج کیا ہے۔ مثلاً:

”تاریخ وصال بے مثال (۱۹۲۱ء)“ ”تاریخ وفات امام عالم“ (۱۹۲۱ء) ”شیخ اعظم“

(۱۹۲۱ء) ”ممدوح عالم آہ مفتی مولوی احمد رضا“ (۱۹۲۱ء) ”موت العالم عدل موت العالم“

(۱۳۴۰ھ) ”سردار بیٹو رائے اہل سنت“ (۱۳۴۰ھ) ”مقبول حق، احمد رضا“ (۱۳۴۰ھ)

”جنت مکا نے قبائے دیں مولوی احمد رضا“ (۱۳۴۰ھ) ”داخل جنت ہوئے قطب الزماں“

(۱۳۴۰ھ) ”زیب کوئین، در بہشت رسید“ (۱۳۴۰ھ) ”رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ

(۱۳۴۰ھ) ”سیرہ صدیقہ جمل جگری از صفر پاست و شیح“ (۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ)۔

مارہروی نے اس بچے کے منہ میں اپنی اکلشت شہادت ڈالا جسے اس نے چوستا شروع کیا۔ آپ نے داخل سلسلہ فرمانے کے ساتھ جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت بھی اسی وقت عطا فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا:

”خلق خدا کو اس بچے سے بڑا فیض پہنچے گا۔ دین و ملت کی یہ بچہ بڑی خدمت کرے گا۔ یہ

بچہ، ولی ہے۔ فیض کا دریا بہا گئے گا۔“

مفتی اعظم کا جبری سال ولادت اس آیت کریمہ سے نکلتا ہے:

وَسَلِّمْ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی (سورہ نمل۔ آیت ۵۹)

اپنے اس بچے یعنی مفتی اعظم کو امام احمد رضا نے بھی جمع اوراد و اشغال، اوراق و اعمال اور جملہ سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت عطا فرمائی۔

مفتی اعظم کی تسمیہ خوانی اور تعلیم و تربیت آپ کے والد مکرم امام احمد رضا کی آغوش شفقت میں ہوئی۔ آپ کے برادر اکبر چچہ الاسلام مولانا حامد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) نے بھی آپ کو تعلیم دی۔ آپ کے ایک نہایت شفیق استاد، حضرت مولانا شاہ رحم الہی منگلوری مظفر گڑھی (وصال ۱۳۶۱ھ) تلمیذ مولانا سعید عبدالعزیز زینپٹھوی سہارن پوری تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی تھے۔

ان کے علاوہ مولانا ظہور الحسنین فاروقی رام پوری (وصال ۱۳۴۲ھ) تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی و تلمیذ مولانا شاہ فصل رحمن، گنج مراد آبادی تلمیذ شاہ عبدالعزیز مختار دہلوی اور مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ مفتی لطف الدین علی گڑھی تلمیذ مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی آپ کے اساتذہ کرام میں ہیں۔

دائر العلوم مظہر اسلام (قائم شدہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۲ء) بریلی میں جملہ علوم تعلیم و عقلیہ کی تحصیل و تکمیل کر کے پھر اٹھارہ سال (۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں) مفتی اعظم کی تعلیمی فراغت ہوئی۔ ۱۹۷۵ء کے سفر حج و زیارت حرمین طہین کے مبارک موقع پر مولانا محمود احمد قادری رفاقی مظفر پوری مولف ”تذکرہ علمائے اہل سنت“ نے نمین رابطہ مکہ مکرمہ میں مفتی اعظم سے آپ کے ابتدائی حالات درپاشت کیے۔ آپ نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”مولانا حامد رضا بریلوی کے بعد اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا بریلوی) کے یہاں کسی

مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی

نوری بریلوی

مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی (ولادت:۔ بوقت صح صداق، بروز جمعہ، بتاریخ ۲۲ روزوالحجہ ۱۳۱۰ھ/ جولائی ۱۸۹۳ء۔ وصال:۔ بوقت شب، ایک بج کر چالیس منٹ۔ بتاریخ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء) خلف اصغر، امام اہل سنت و فقہ اسلام، مولانا الشاہ محمد احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (ولادت:۔ بروز شنبہ، بوقت ظہر۔ ۱۰ اشوال المکرم ۱۲۷۲ھ۔ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء۔ وصال:۔ ۲۵ صفر المعظم ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ) تبحر عالم دین، دقین انظر فقیہ، کنڈرس مفتی، قادر الکلام شاعر نعت، متوزع و متقی بزرگ، جامع اوصاف شیخ طریقت اور مرجع علماء و خواص و عوام تھے۔

آپ کا اصل نام محمد ہے۔ جس پر آپ کا عقیدہ ہوا۔ آل الترحمن آپ کا نبی نام ہے۔ آپ کے مُرشد معرفت و حقیقت و تصوف و طریقت، نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی (وصال ۱۱ ربیع ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۰۶ء) بن سید شاہ ظہور حسن مارہروی (وصال ۱۲۶۶ھ) بن خاتم لاہر سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی (وصال ذوالقعدہ ۱۲۹۶ھ/ ۲۹ نومبر ۱۸۷۹ء) نے آپ کا نام ”ابوالبرکات محمدی الدین جیلانی“ تجویز فرمایا۔ اور آپ کے والد ماجد امام احمد رضا نے آپ کا عرفی نام ”مصطفیٰ رضا“ رکھا۔ نوری آپ کا تخلص ہے۔

”مفتی اعظم“ کے لقب سے علما و مشائخ کرام اور خواص و عوام کے درمیان مشہور ہوئے۔ مفتی اعظم کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد امام احمد رضا اپنے شہر بریلی نہیں بلکہ اپنے مرکب عقیدت، مارہرہ مظہرہ میں تھے۔ ۲۲ روزوالحجہ ۱۳۱۰ھ کو نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری میاں قُلیدس بسوڈ نے امام احمد رضا قُلیدس بسوڈ مفتی اعظم کی ولادت کی بشارت دی۔

ولادت کے بعد ”محمد“ کے بابرکت نام سے والد ماجد امام احمد رضا نے اس بچے کا ساتویں روز عقیدت کیا۔ صرف چھ ماہ تین یوم کی عمر میں ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو حضرت نور العارفین

فرزند کی ولادت نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت، مارہرہ شریف میں حاضر تھے۔ ظہر کی نماز باجماعت ادا کر کے حضرت نور العارفین (سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی) رحمۃ اللہ علیہ سسرہ کے پیچھے پیچھے مسجد برکاتی کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ تھی فرزند کی ولادت کی دعا کی درخواست کی۔ حضرت نور العارفین نے دعا کی اور فرزند کی ولادت کی بشارت سنائی۔

جب میری ولادت ہوئی، اعلیٰ حضرت مارہرہ شریف حاضر تھے۔ حضرت نور العارفین، نماز ادا کر کے واپس اتر رہے تھے اور اعلیٰ حضرت سیڑھیاں طے کر کے مسجد شریف میں حاضری کے لئے جا رہے تھے۔ جیسی حضرت نور العارفین نے فرزند کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ اور فرمایا: ”مولوی صاحب! آپ کے یہاں ہر فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔“

اور ابوالبرکات محی الدین جیلانی، ”نامہ محنت فرمایا۔ یہی نام نامی حضرت کے فرزند ارجمند کا تھا۔ محمد نام پر یقینہ ہوا۔ مصطفیٰ رضا خاندانی عرف ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے آل الرحمن کا بھی اضافہ فرمایا۔ حضرت نور العارفین رحمۃ اللہ علیہ سسرہ نے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”میں بریلی آکر فرزند کو دیکھوں گا۔“

چنانچہ جب میں چھ ماہ کا تھا۔ حضرت نور العارفین رحمۃ اللہ علیہ سسرہ بریلی تشریف فرما ہوئے۔ پچھلے چچا کے یہاں قیام فرما تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے لے جا کر حضرت کی گود میں دے دیا۔

حضرت نور العارفین نے میرے منہ میں انگلی ڈال دی، میں انگلی چوسنے لگا۔

اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: حضور! غلام بھی بنالیں۔“

میں نے حضرت والا سیدی اکبر رحمۃ اللہ علیہ عظم علیہ الرحمۃ سے عرض کیا:

کچھ اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟

فرمایا: قرآن شریف، اعلیٰ حضرت سے پڑھا۔ پچھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ مولانا حامد رضا بریلوی سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی بھی انھیں حضرات سے پڑھی۔

جب مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو اس کے اساتذہ سے بھی۔ مولانا سید شیر علی گڑھی سے بھی پڑھا۔ مولانا ظہور الحسنین فاروقی رام پوری سے بھی پڑھا۔

جب مولانا رحم الہی (منگھوری) مظفر نگری، مدرس دوم ہو کر آئے تو ان سے خاص طور سے

پڑھا۔ یہ میرے خاص استاذ تھے۔

جب متون و خطا پڑھ چکا تو زیادہ تر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حضور کی حاصل رہی۔ جس سے فوائد کثیر حاصل ہوئے۔“

میں نے عرض کیا: حضور کے شرکاء دے درس، کون کون تھے؟

فرمایا: پچھلے چچا جان کے صاحب زادے مولانا حسنین رضا خاں تھے۔ بریلی کے مولوی حسمت علی بھی تھے۔

عرض کیا: تربیت افتا کا بھی کچھ حال ارشاد فرمائیں؟

فرمایا: دائر الفتا سے اہل سنت میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی رہنمائی میں مدرسہ اہل سنت معظرم اسلام کے فارغ، مولانا ظفر الدین صاحب مدرس سوم۔ اور مدرسہ اہل سنت ہی کے اولین فارغین، مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی اور مولانا سید غلام محمد صاحب بہار شریف، افتا کا کام کرتے تھے۔ بریلی کے مولانا نواب مرزا بھی فتاویٰ لکھتے تھے۔

ایک دن میں دائر الفتا سے اہل سنت میں پہنچا۔ دیکھا کہ مولانا ظفر الدین فتاویٰ لکھتے ہیں مشغول ہیں۔ اور مراجعت کے لئے بار بار فتاویٰ رضویہ کی جلدیں کھول دیکھتے جاتے ہیں۔ بار بار ایسا کرتے پایا تو ان سے میں نے کہا:

کیا فتاویٰ رضویہ دیکھ کر جواب لکھتے ہو؟

انھوں نے کہا: تم بغیر دیکھے کھو تو جانیں؟

ایک استفتاء اٹھا کر انھوں نے مجھے دیا۔ میں نے لکھ دیا۔

تقدیر بق و تصویب کے لئے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش ہوا۔

جواب صحیح اور درست تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے تصویب فرمائی، اور ایک روپیہ انعام میں مرحمت فرمایا۔

بندہ (حمود احمد قادری) نے عرض کیا: کیا سوال تھا؟

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ عظم نے فرمایا: رضاعت کا مسئلہ تھا۔ رضاعت ہی کا جواب اعلیٰ حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا تھا اور اپنے والد ماجد قبلہ سے ایک روپیہ انعام میں پایا تھا۔

مسکرا کر ارشاد فرمایا: مولانا ظفر الدین صاحب نے بھی پہلا جواب، رضاعت کا لکھا

اور انعام پایا۔“

(ص ۱۰۸۳ و ۱۰۸۴)۔ ”جہان مفتی“، مضمون ”تقلم مولانا محمود احمد قادری رفاقتی۔ ترتیب مجموعہ مضامین، ”جہان مفتی“، از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی و مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی و مولانا مقبول احمد مصباحی۔ مطبوعہ رضا اکڈمی۔ بمبئی۔ ۱۳۲۸ھ۔ ۲۰۰۷ء)

مفتی اعظم کو اپنے پیروں میں حضرت نور العارفین مارہروی اور امام احمد رضا کے ذریعہ اور آپ دونوں حضرات کے توسط سے وہ تمام اجازات و اساتید حاصل ہیں جو رسالہ ”النور والہب فی انسائید التحذیر و تسلسل الاولیاء۔ (۱۳۴۷ھ)“ مطبوعہ حضرت نور العارفین مارہروی و ”الاجازات النبیین العلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۳۳ھ)“ از امام احمد رضا بریلوی اور ”حیات اعلیٰ حضرت“ حصہ سوم، مطبوعہ مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی میں مذکور و مسطور ہیں۔

اپنے شیخ طریقت، نور العارفین سید شاہ ابوالکسین احمدی نوری مارہروی اور والدہ مکرم امام احمد رضا بریلوی قدس کے واسطے سے خانوادہ قادریہ برکاتی کی مخصوص روایات و اجازات کے علاوہ تسلسل و تسلسل حدیث امام الحدیث شیخ عبدالحق محدث دہلوی و سرانج الحدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و فرزند و جانشین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و بحر العلوم مولانا عبدالغنی فرنگی محلی اور پھر الٰہی ”اخو التسلسلہ“ ہے۔ کی بھی اجازتیں آپ کو حاصل ہیں۔ خانوادہ فرنگی محلی، کھنوکا ایک سلسلہ ہے۔ مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا از امام احمد رضا خاتم الکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی از عارف باللہ مولانا نور الحق فرنگی محلی بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی از بحر العلوم مولانا عبدالغنی فرنگی محلی لکھنوی۔ الٰہی ”اخو التسلسلہ“۔

دوسرا فرنگی محلی سلسلہ اس طرح ہے: مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی از امام احمد رضا بریلوی از مولانا نقی علی بریلوی از مولانا مفتی رضا علی بریلوی از مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی، رام پوری۔ از مولانا محمد اعظم سندیلوی از بحر العلوم مولانا عبدالغنی فرنگی محلی۔ الٰہی ”اخو التسلسلہ“۔ کچھ علما و مشائخ کچاز کو اپنی اجازت و اساتید کے اجازت نامہ (مطبوعہ ”الاجازات النبیین“) میں آپ کے والدہ مکرم امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) ”میں انھیں علی بن کبکۃ اللہ تعالیٰ درج ذیل کتب، اور علوم و فنون کی اجازت دیتا ہوں جن کا میں مجاز ہوں۔

قرآن مجید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور کتب احادیث، مثل

صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معانی، اتواء، شروح، کتب اصول حدیث، کتب اسما و الرجال، فقہ تفسیر قرآن، تجوید، کلام، اصول فقہ، سیر، ہدایہ، ادب، نحو، صرف، لغت، معانی، بیان، بدیع، منطق، حکمت، ہندسہ، ہیئت، زیجیات کی کتابیں اور مقاصد و ذرائع کی باقی کتابیں جن کی میں اپنے بزرگ ترین مشائخ سے روایت کرتا ہوں۔ مثلاً

(۱) میں اپنے مولیٰ، اپنے مرشد، اپنے سردار سے راوی ہوں۔ جو میرے لئے سہارا بھی ہیں اور خزانہ بھی۔ اور دنیا و آخرت میں ذخیرہ بھی۔ جو شریعت و طریقت کے جامع بھی ہیں اور پاک لوگوں کی دونوں جماعتوں، عالموں اور عارفوں کے مرجع۔

جن کی توجہ، اصاغر کو اکابر بنا دیتی ہے۔ یعنی سید شاہ آل رسول احمدی (اللہ تعالیٰ انھیں دائمی رضا، مرحمت فرمائے) وہ اپنے جلیل المشائخ سے۔ جن میں شاہ عبدالعزیز دہلوی بھی ہیں۔ وہ

اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) میں اپنے والد (مولانا نقی علی بریلوی) سے راوی ہوں۔ جو میرے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت، میرے آقا کے نعمت..... ہیں۔ یعنی سید مولانا محمد نقی علی قادری برکاتی بریلوی (قدس

سورۃ) وہ اپنے کریم باپ، عارف، ربّانی مصاحب، فضیلت و وجاہت، سیدنا المولوی محمد رضا علی (قدس

سورۃ) سے۔ وہ مولانا خلیل الرحمن محمد آبادی (رام پوری) سے۔ وہ فاضل محمد اعظم سندیلوی سے۔ وہ

ملک العلماء، بحر العلوم مولانا عبدالغنی (فرنگی محلی) لکھنوی سے۔ (روضائ اللہ علیہم اجمعین)

(۳) میں بکدامان مکرم مکرم مکرم سے شیخ العلماء، امام، مجدد، پختہ رائے والے فقیر، مولانا السید احمد بن زین دحلان مکی (قدس سورۃ) سے راوی ہوں۔ وہ شیخ محسن دسما مکی وغیرہ سے راوی ہیں۔

(۴) میں علامہ بلند ہمت، مکرم مکرم مکرم کے روشن چراغ ہدایت، مولانا الشیخ عبدالرحمن فرزند مفتی احناف مکرم مکرم سے شیخ عبداللہ سراج سے روایت کرتا ہوں۔ وہ مولانا الشیخ جمال بن عبداللہ

بن عمر مفتی اعظم احناف سے۔ وہ مولانا الشیخ محمد عابد سندیلوی مدنی سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) میں شیخ سید حسین بن صالح لچھل لچھل مکی سے راوی ہوں۔ اور وہ شیخ عابد سندیلوی مدنی سے روایت کرتے ہیں۔

(۶) میں اپنے مرشد کریم خاتم الکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی کے پوتے آپ

کے جانشین، آپ کے علم و سیادت و سعادت کے وارث، سید شاہ ابوالکسین احمد نوری مارہروی

سے روایت کرتا ہوں۔
 علاوہ انہیں دیگر مشائخ کرام سے راوی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر صبح و شام اپنی رحمت نازل فرمائے۔ آمین

(الْإِحْكَازَاتُ الْمُنَبِّئَةُ لِلْعُلَمَاءِ بَنَغَّةَ وَالْمَدِينَةِ - از امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی - مطبوعہ بریلی دلا ہوو بیمنی وغیرہ)

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں جب مفتی اعظم ہند نے پہلا مسئلہ، رضاعت سے متعلق لکھا تو امام احمد رضا نے اس کی تصدیق و تصویب اس طرح فرمائی۔

”صَحَّ الْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَوْنِ الْوَهَّابِ“ اور اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انعام سے نوازا۔ پھر مولانا حافظ یقین الدین بریلوی کے ذریعہ آپ کے نام کی مہربنا آپ کو عطا فرمائی۔

آپ کے نام کی ہر اس طرحی، ابواب کات جی الدین جیلانی آل الرحمن محمد عرف مصطفیٰ رضا“ مولانا محمد حسن علی رضوی (میلٹی، پنجاب، پاکستان) تلمیذ محذث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی لائل پوری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

”۲۵ صفر ۱۳۲۷ھ/ اگست ۱۹۲۸ء، آستانہ عالیہ رضویہ، بریلی شریف کا عظیم اجتماع جس میں لکا، بہار، بنگال، پنجاب، بمبئی، گجرات، کاٹھیاواڑ، گوہٹل، مدراس، یوپی، سی پی، راجپوتانہ، سندھ، سرحد کے جلیل القدر علماء و اکابر علماء دین شریک تھے۔ اس اجلاس میں حضرت علامہ مولانا مفتی الانشا محمد مصطفیٰ رضا فقیہ سبزوہ کو مفتی اعظم ہمدرد العلماء کہا اور لکھا گیا۔ بلکہ شہزادہ اکبر سرکار علی حضرت، چیف الاسلام، جمال الاولیا، مولانا شاہ محمد حامد رضا صاحب قبلہ فقیہ سبزوہ کے حکم سے اس اجلاس میں جو تجاویز پاس ہوئیں، تجویز ۳۰ میں حضور مصطفیٰ میاں نوری فقیہ سبزوہ کو صدر العلماء مفتی اعظم لکھا گیا۔

(بحوالہ اخبار ”دبدر“ سکندری۔ رام پور، شمارہ ۹ جلد ۶۶ ص ۶۔ مجریہ ۲۰۔ اگست ۱۹۲۸ء)

حضور سیدنا چیف الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا صاحب قبلہ فقیہ سبزوہ خود بردست فقیہ و محدث و بلند پایہ مفتی تھے اور حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ کے استاذ محترم بھی تھے۔ مگر اپنی دیگر دینی و مذہبی و روحانی مصروفیات کے سبب آنے والے سوالات واستفتاء اپنے برادر اصغر، حضور مفتی اعظم

قبلہ فقیہ سبزوہ کے پاس جواب کے لئے بھیجتے تھے۔ متعدد کتابوں میں اس کے شواہد موجود ہیں۔“

(ص ۳۸۵۔ ”جہان نی اعظم“، مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۹۲۸ء، ص ۲۰۷)

امام احمد رضا کے بھائی مولانا محمد حسن رضا حسن بریلوی (ولادت ۱۲۷۶ھ/۱۹۰۷ء تا ۱۸۵۹ء۔ وصال ۲۲ رمضان ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) عالم دین اور روزبان کے ممتاز نعت گو شاعر ہیں۔ نور العارفین سید شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی سے شرف بیعت حاصل ہے۔ دارالعلوم معظرمسلم بریلی کے پہلے مہتمم آپ ہی تھے۔

استاذ و مہتمم مولانا حسن بریلوی کی فقیہ شاعری، افراط و تفریط سے پاک اور مکمل دائرہ شریعت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی آپ کی فقیہ شاعری کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

”ان کو میں نے نعت گوئی کے اصول بتادیے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایسا رنگ رچا کہ ہمیشہ کلام ہی اعتدال و معیار پر صادر ہوتا۔ جہاں شبہ ہوتا، مجھ سے دریافت کر لیتے۔“

(ص ۴۱۔ املفوطا، حصہ دوم۔ مکتبہ رضا۔ بریلی)

اسلوب شاعری کے اعتبار سے آپ کی شاعری میں دیستان داغ و دہلوی کا رنگ نمایاں تھا۔ جس کی وجہ یہی تھی کہ فن شاعری میں آپ، استاد داغ و دہلوی کے شاگرد تھے۔ جس کا ذکر اردو ادب کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اردو کے ایک قدیم شاعر لالہ شری رام نے لکھا ہے:

جس زمانہ میں حضرت داغ و دہلوی، رام پور میں رہتے تھے۔ آپ (حسن بریلوی) ان کے شاگرد ہوئے۔ اور ہر سال، ایک دو مہینہ ان کی خدمت میں رہ کر صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔“

(ص ۴۵۔ خم خانہ جاوید۔ مطبوعہ دہلی۔ ۱۹۱۱ء)

نگارستان لطافت، دہن حسن، ذوق نعت، وسائل بخشش، خمر نصاحت وغیرہ آپ کی یادگار ادبی خدمات ہیں۔

مولانا حسن بریلوی کے وصال (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کے بعد چیف الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) دارالعلوم معظرمسلم اسلام بریلی کے مہتمم، منتخب و مقرر ہوئے۔ مسئلہ رضاعت لکھنے (در ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء) کے بعد مفتی اعظم فتویٰ نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے اور اپنے والد مکرم امام احمد رضا کی خدمت میں فتویٰ نویسی کی مشق و ممارست کے

ساتھ کارا قیامیں آپ کے معاون ہوئے۔
 رئیس المعرفہ لکھنؤ مولانا حسرت موہانی نے مجلہ اردوئے معلیٰ علی گڑھ (جون ۱۹۱۲ء) میں مولانا حسن بریلوی کے مختصر احوال اور شاعری پر ایک جامع مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں مولانا حسرت موہانی لکھتے ہیں:
 ”شعروخن کا شوق، حضرت حسن کو ابتدائی سے تھا۔ کچھ روز بطور خود مشق کرتے رہے۔ اس کے بعد مرزا داغ کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ اور ایک مدت تک رام پور میں رہ کر استاد کے گلشن سخن سے گل چینی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بجائے خود استاد متاثر فرما گئے۔“
 (اردوئے معلیٰ علی گڑھ۔ جون ۱۹۱۲ء)
 ”شاگردان مرزا داغ دہلوی میں حسن مرحوم بریلوی کا پیہ شاعری بہت بلند تھا۔ وہ بجائے خود استاد متاثر تھے۔ انھوں نے اپنے انداز سخن کو استاد کے رنگ کلام سے مشابہ بنانے میں اس قدر کامیابی حاصل کی ہے کہ اکثر قطعوں میں داغ و حسن کی شاعری میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“
 (اردوئے معلیٰ علی گڑھ۔ جون ۱۹۱۲ء)
 جن علوم و فنون میں مفتی اعظم کی مہارت کا ذکر، تحقیق و جستجو کے بعد علمائے کرام نے کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں:
 (۱) علم قرآن (۲) علم حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ اسلامی (۵) اصول فقہ (۶) علم عقائد و کلام (۷) علم فرائض (۸) نحو (۹) صرف (۱۰) معانی (۱۱) بیان (۱۲) بدیع (۱۳) منطق (۱۴) فلسفہ (۱۵) مناظرہ (۱۶) تفسیر (۱۷) ہیئت (۱۸) حساب (۱۹) ہندسہ (۲۰) قرأت (۲۱) تجوید (۲۲) تصوف (۲۳) سلوک (۲۴) اخلاق (۲۵) اسماء الرجال (۲۶) سیر (۲۷) تاریخ (۲۸) لغت (۲۹) ادب (۳۰) عروض و قوافی (۳۱) توفیقیت (۳۲) اوقاف (۳۳) علم اعداد (۳۴) علم ہنر (۳۵) ریاضی وغیرہ۔
 مفتی اعظم نے دارالعلوم مظفر اسلام، بدیلی میں درس بھی دیا۔ اپنے دارالافتاء میں بھی درس دیا۔ تبلیغی دوروں کے وقت اپنی قیام گاہ پر بھی درس دیا۔ اس طرح آپ کے سیکڑوں نامور تلامذہ ہوئے جن میں سے چند نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:
 (۱) مولانا سر دار احمد رضوی لاکل پوری (۲) مفتی اعجاز ولی رضوی بریلوی ثم لاہوری (۳)

مولانا شمس علی رضوی بدیلی بھیتی (۴) مولانا مبین الدین رضوی امر و ہوی (۵) مولانا محمد شمسین رضا بریلوی (۶) مفتی محمد شریف الحق امجدی (۷) مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری (۸) مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی (۹) مفتی محمد اعظم رضوی ٹانڈوی (۱۰) مولانا سید محمد عارف رضوی بہرائچی (۱۱) مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی (۱۲) مولانا مبین الدین شامی قادری فیصل آبادی (۱۳) مولانا غلام جیلانی اعظمی (۱۴) قاضی عبدالرحیم بستوی (۱۵) مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی (۱۶) مولانا بدر الدین رضوی گوکھپوری (۱۷) مولانا محمد یونس نعمی (۱۸) مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی پورنوی وغیرہ وغیرہ۔
 فقہ و افتاء کے باب میں جن علمائے مفتی اعظم سے خصوصی استفادہ کیا اور آپ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی میں درک و کمال حاصل کیا ان میں سے چند علمائے مفتیان کرام کے نام ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:
 (۱) مفتی سردار احمد رضوی لاکل پوری (۲) ابوالبرکات مولانا سید احمد قادری لاہوری (۳) مفتی سید افضل حسین رضوی موگیری (۴) مولانا مفتی مبین الدین رضوی امر و ہوی (۵) مولانا محمد شمسین رضا بریلوی (۶) مولانا غلام یزدانی اعظمی (۷) مولانا غلام جیلانی اعظمی (۸) مفتی محمد شریف الحق امجدی (۹) مفتی عبدالمنان اعظمی (۱۰) مفتی محمد احمد جہانگیر خاں رضوی اعظمی (۱۱) مفتی مجیب الاسلام سیم اعظمی (۱۲) مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری (۱۳) مولانا ضیاء المصطفیٰ قادری رضوی امجدی (۱۴) قاضی عبدالرحیم بستوی رضوی (۱۵) مفتی محمد اعظم رضوی (۱۶) مفتی رجب علی رضوی نان پاروی (۱۷) مفتی ابرار حسین صدیقی رضوی تلہری (۱۸) خواجہ مظفر حسین رضوی (۱۹) مولانا غلام مستمسق رشیدی پورنوی (۲۰) مفتی مطیع الرحمن مضطر رضوی پورنوی (۲۱) مولانا حسن منظور قدیری (۲۲) مفتی محمد صالح رضوی وغیرہ وغیرہ
 نامہ مفتی اعظم، بشارت بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبہ افتاء اہلحدیۃ الاشرفیہ مبارک پور) صدر الاشرفیہ مولانا امجدی اعظمی رضوی کے وصال (۱۳۶۶ھ ۱۹۴۸ء) کے بعد بروز دوشنبہ ۲۴ شوال ۱۳۷۵ھ ۱۹ جون ۱۹۵۶ء، بریلی شریف میں گیارہ سال سے زائد مفتی اعظم کی خدمت و تربیت میں رہے۔ تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ اس گیارہ سالہ مدت کی اپنی یادداشتوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مطلی حضرت کے وصال (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے بعد آپ کے آستانے پر آنے والے ہزار ہا ہزار مسائل لکھنے والے صرف دو تھے: ایک حضرت مفتی اعظم، دوسرے حضرت صدر الشریعہ۔ حضرت چچہ الاسلام قدس بسوہ اگرچہ حضرت مفتی اعظم کے استاد تھے اور خود برادر دست مفتی تھے۔ مگر مسائل ان دونوں حضرات کے یہاں ارسال فرما دیا کرتے تھے۔ بہت کم ایسا اتفاق ہوتا کہ خود کوئی فتویٰ تحریر فرماتے۔

اور حضرت صدر الشریعہ جب اجیر شریف چلے گئے تو تنہا مفتی اعظم، آستانے پر آنے والے تمام مسائل کو لکھا کرتے تھے۔

..... گیارہ سال، تین ماہ خدمت میں حاضر رہا۔ اس مدت میں چوبیس ہزار فتاویٰ لکھے ہیں۔ جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی تصدیق و تصدیق ہے۔

عالم یہ ہوتا کہ دن بھر بلکہ بعد مغرب بھی دودھ گھٹنے تک حاجت مندوں کی بھیر بڑتی۔ یہ حاجت مند، خوش خبری لے کر نہیں آتے۔ سب اپنا اپنا ڈکھڑا سنا تے۔

غم آگئیں واقعات سننے کے بعد، دل و دماغ کا کام کیا ہوتا ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ اتنے طویل عرصے تک اس غم آگئیں ماحول سے فارغ ہو کر بعد عشا پھر شریف رکھتے۔ اور میں اپنے لکھے ہوئے مسائل سناتا۔

میں گھسیا پائیا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر، جانچ تول کر مسئلہ لکھتا۔

مگر وہاں مفتی اعظم! اگر کہیں ذرا بھی غلطی ہے۔ یا بوج ہے۔ یا بے رابطی ہے۔ یا اجیر

، غیر مناسب ہے۔ یا سوال کے مطابق، جواب میں کمی بیشی ہے۔ یا کہیں سے کسی غلط فہمی کا ذرا بھی اندیشہ ہے، فوراً اس پر تنبیہ فرمادیتے۔ اور مناسب اصلاح۔

تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار۔ جو لکھا گیا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے، اس کو کوئی بھی ذہین نقاد کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کو بدل کر کیا لکھا جائے؟ یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مگر ستر

(۷۰ سالہ)، مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے فوراً بعد اصلاح فرمادیتے۔ اور ایسی اصلاح کے پھر قلم کٹ کر رہ جاتا۔ (ص ۲۵۲ و ۲۵۳)۔ جہاں مفتی اعظم رضا اکیڈمی (بمبئی)

مفتی اعظم کی مجلس تعلیم و تربیت میں اصلاح فتویٰ کا انداز اور نمونہ پیش کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، مزید تحریر فرماتے ہیں:

”یہ مجلس، آدمی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔ بار بار رات کے دو بج جاتے۔ اور رمضان شریف میں سحری کا وقت تو روز ہو جاتا تھا۔

”ہمارا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی دور درازی عبارت سے تائید لاتا۔ مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارتیں جو دائر الاطلاق میں نہ تھیں، بزبان لکھوا دیتے۔

میں حیران رہ جاتا۔ یا اللہ! کبھی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں۔ یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر ایسی تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ اس پر بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کلام، بہت کم فرماتے تھے۔ مگر جب ضرورت ہوتی تو ایسی بحث فرماتے کہ اچھا! علماء اگشت بدند اس رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں ٹھہرا کے متضاد اقوال ہیں تو سب دماغ میں بروقت حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور تولد مختار، ہر تہین، اور ان سب اقوال پر اس کی وجہ ترجیح، سب آذر۔

باب النکاح میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی بہتر (۷۲) صورتیں ہیں اور کثیر الوقوع بھی ہیں۔ پہلی بار، جب میں نے اس کو لکھا، سوال مبہم تھا۔ میں نے شق قائم کر کے چار ورثہ، فل اسکیپ کا غز پر لکھا۔ جب سنانے بیٹھا تو فرمایا:

یہ طول طویل، شق در شق جواب کون سمجھ پائے گا؟ پھر اگر لوگ ناخدا ترس ہوئے تو جو شق اپنے مطلب کی ہوگی، اس کے مطابق واقعہ بنالیں گے۔

آج یہاں ہندوستان میں یہ صورت رائج ہے۔ اسی کے مطابق حکم لکھ کر بھیج دیں۔“

یہ قید لگا کر آپ کے یہاں یہی صورت تھی تو یہ حکم ہے۔ یہ جواب فل اسکیپ کے آدھے صفحہ سے بھی کم پرچ تائیدات آگیا۔

اس واقعہ نے بتایا کہ تب نبی سے علم حاصل کر لینا اور بات ہے۔ اور فتویٰ لکھنا اور بات ہے۔

.....! بخش لگو! سنانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

کچھ علماء اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً ہر انجکشن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ کچھ علماء اس کے قائل ہیں کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔

حضرت مفتی اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا مگر مکروہ ہے۔
سیاحک یقین ہے جس کی شرح، میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے۔“ الخ
(ص ۲۵۳ و ۲۵۴۔ جہان مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی اپنے ایک دوسرے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:
”مجھے بحمدہ تعالیٰ بے شرف حاصل ہے کہ میں مسلسل گیارہ سال بلکہ کچھ ماہ زائد
حضرت مفتی اعظم کے دولکدہ پر قیام پذیر رہا۔ وہ بھی ان دنوں میں جو ایک انسان کی زندگی کے
سب سے کامل ایام مانے جاتے ہیں۔ یعنی اپنی عمر کے پچیسویں (۳۵) سال سے لے
کر چھیالیسویں (۴۶) سال تک۔ اور اس طرح ساتھ رہا کہ حضر میں بھی ساتھ رہا اور ہندوستان
کے طول و عرض کے سفر میں بھی ساتھ رہا۔ پور بندر (گجرات) سے لے کر (موجودہ) بنگلہ دیش کی
مغربی سرحد، دہلیا پور تک رہا۔ لکھ، اڑیسہ سے لے کر نجیب آباد تک تقریباً ہر بڑے شہر میں
ہمراہ رہا۔ (ص ۳۲۲۔ جہان مفتی اعظم، رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

”میں نے بریلی شریف کے ایام قیام میں پچیس ہزار مسائل لکھے۔ جن میں دس ہزار کے
لگ بھگ وہ مسائل ہیں جن پر حضرت مفتی اعظم کی اصلاح ہے۔

کاش وہ سب محفوظ ہوتے تو ایک اہم خزانہ محفوظ ہو جاتا۔ پھر دنیا دیکھتی کہ حضرت مفتی اعظم
کا تجربہ علمی، دقت نظر، بکثرت، کس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔“ (ص ۳۲۷۔ جہان مفتی اعظم)
مفتی اعظم کے دور آخر کے ایک تربیت یافتہ مفتی مولانا محمد مطیع الرحمن مضطر رضوی پورنوی،
درس و طریقہ تربیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مفتی اعظم، درس و افتاء میں اس کا التزام فرماتے تھے کہ:
محض نفس حکم سے واقفیت نہ ہو۔ بلکہ اس کے مآلہ و مآعائیکہ کے تمام نشیب و فراز،
ذہن نشین ہو جائیں۔

پہلے، آیات و احادیث سے استدلال فرماتے۔ پھر اصول فقہ و حدیث سے اس کی تائید
دکھاتے اور قواعد کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جو نیات پیش فرماتے۔
پھر مزید اطمینان کے لئے فتاویٰ رضویہ یا ارشاد امام احمد رضا نقل فرماتے۔
اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو قول رائج کی تعیین، دلائل سے کرتے۔ اور اصول افتاء کی

روشنی میں مآلہ و مآعائیکہ الفسویٰ کی نشان دہی فرماتے۔ پھر فتاویٰ رضویہ یا ارشاد امام احمد رضا
سے اس کی تائید پیش فرماتے۔
مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا۔

عام طور پر جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔
ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتاء ہوتا۔ اور وہ ان تفصیلات کا خواست گاہر ہوتا تو پھر جواب میں
وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔“ (ص ۱۱۲۔ جہان مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)
مفتی عبدالحکیم رضوی ناگ پوری، اپنے آٹھ (۸) سالہ قیام بریلی (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۰ء)
کے مشاہدات و تجربات بیان کرتے ہوئے انتہائی سہمت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:
..... طالب علمی کے زمانہ ہی سے مجھے سرکاری مفتی اعظم کا قرب حاصل ہو گیا تھا۔
بعد فراموش، کبھی کبھی خدمت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

میں نے حضرت مفتی اعظم کی صبح دیکھی، شام دیکھی۔ رات دیکھی، دن دیکھا۔ سفر دیکھا۔
حضر دیکھا۔ خلوت دیکھی، جلوت دیکھی۔ انھیں ہر زاویے سے دیکھا اور بڑی گہرائی سے ان کی
زندگی کا مطالعہ کرتا رہا۔ مگر خدا گواہ ہے۔ کبھی ان کا قدم خلاف سہمت اٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔
..... جن خوش نصیب حضرات نے سرکاری مفتی اعظم کو مانتے کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

انھیں برملا اعتراف ہے کہ:
حضرت مفتی اعظم اپنی عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، علم و فضل، اور اخلاق و کردار میں اپنے
معاصرین میں منفرد اور بے مثال ہیں۔“ (ص ۳۵۷۔ جہان مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)
تجاویز و خطا پر مشتمل دو واقعات اور پھر مفتی اعظم کی تنبیہ و ہدایت کا اسلوب و طریقہ بیان
کرتے ہوئے مفتی عبدالحکیم رضوی ناگ پوری تحریر فرماتے ہیں:

”عالم ۱۹۷۲ء میں جب سیدی سرکاری مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان،
خرمین شریفین سے واپس لوٹے تو جبل پور (مدھیہ پردیش) اور نواح جبل پور میں حضرت
مفتی اعظم کے اعزاز میں استقبالیہ پروگرام ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں حضرت کی سرپرستی میں
حضور برہان ملت (مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری) کی صدارت اور فقیر کی
تقریریں ہوتیں۔

ایک شب، جبل پور میں استقبالیہ پروگرام تھا۔ دونوں بزرگ، مانج پر رونق افروز تھے۔ میں صراطِ مستقیم مصنفہ شاہ مجاہد تسلیم دہلوی کا رد کر رہا تھا۔

دورانِ تقریر میں نے کہا: تم کہتے ہو، نماز میں سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یاد سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور نیل اور گدھے کی یاد سے نماز ہو جاتی ہے۔ کیا یہ محبت کی بولی ہے؟ کس منہ سے تم اپنے آپ کو سرکارِ اُمّی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو؟

اختتامِ تقریر کے بعد سرکاری اعمام نے مجھے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور فرمایا: اس نے یہ کہاں لکھا ہے کہ حضور کی یاد سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ اس نے لکھا ہے کہ نماز میں حضور کا خیال لانا، پتل اور گدھے کی یاد سے زیادہ بُرا ہے۔“

میں نے ادب سے عرض کیا: حضور! کیا حکم ہے؟

فرمایا: آئندہ خیال رکھیے۔ دشمن کی طرف بھی وہ بات منسوب نہیں کرنی چاہیے جو اس نے نہیں کہا ہے۔“ (ص ۵۸۸۔ جہانِ مفتی اعمام۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

محلہ ذخیرہ، بریلی شریف میں جلسہ ہو رہا تھا۔ سیدی سرکاری اعمام رونق افروز تھے۔ ایک شیخ الحدیث صاحب دورانِ تقریر کچھ لفظ والی روایت بیان کر رہے تھے۔

جناب جبریل نے کہا: ک۔ حضور صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا فِہْمُث (میں نے سمجھ لیا)

”ع۔“ فرمایا فِہْمُث (میں نے سمجھ لیا) ”عی۔“ فرمایا فِہْمُث (میں نے سمجھ لیا) ”ع۔“

فرمایا فِہْمُث (میں نے سمجھ لیا) ”ص۔“ فرمایا فِہْمُث (میں نے سمجھ لیا)۔

جناب جبریل نے عرض کیا: یا رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔ یہ محبوب و محب کی بات ہے۔ محبت نے بھیجا، محبوب نے سمجھ لیا۔ میں نے تو خاک نہیں سمجھا۔

اندازِ بیان کچھ ایسا تھا جو لوگوں کی دل چسپی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ اس جملہ پر سب نے غرہ لگایا۔

سیدی سرکاری مفتی اعمام علیہ الرحمۃ نے تقریر روکتے ہوئے فرمایا:

مولانا! یہ روایت تو ہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

حضور میں نے نہیں سمجھا۔ مگر خاک نہیں سمجھا۔ اس سے جبریل علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے۔

پھر فرمایا: میں تو بے کرتا ہوں۔

عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ سب توبہ کیجیے۔ پھر فرمایا:

مولانا! آپ بھی توبہ کریں۔ چنانچہ سب نے توبہ کی۔“

(ص ۵۸۸ و ۵۸۹۔ جہانِ مفتی اعمام۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مفتی اعمام بچپن ہی سے صاحبِ زہد و تقویٰ اور پختہ علم و عمل تھے۔ جس کی شہادت اہل خانہ و اہل تعلق دیتے چلے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔ مدفن جنت البقیع۔

مدینہ منورہ) علیہ الرحمۃ والوصوٰن، ہندوپاک کے اترین مدینہ سے عوامی اعمام کے

احوال بڑی عقیدت کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”ضیاء الدین احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

وَاللّٰہُ الْعَظِیْمُ! مفتی اعمام، بچپن ہی سے پیکرِ علم و عمل ہیں۔ جامعِ زہد و تقویٰ ہیں۔

اس وقت ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، بزرگی و پرہیزگاری، کمروغرفان کا کوئی کیا اندازہ

کر سکتا ہے؟

فقیر ضیاء الدین احمد عمر میں مفتی اعمام سے ضرور بڑا ہے۔ لیکن مراتب میں مفتی اعمام

فقیر سے بہت بڑے ہیں۔“

فریضہ اقصیٰ بالمعروف و نفی عن المنکر کے بارے میں حافظِ ملت مولانا الشاہ

عبدالعزیز مراد آبادی محدث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ارشاد فرماتے ہیں:

فرزِ اہل حضرت امام احمد رضا، حضرت مفتی اعمام ہند، علامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا صاحب

بریلوی اقصیٰ بالمعروف و نفی عن المنکر کی جتنی جاتی تصویریں۔ حق گوئی کے وہ ایسے مجاہد فی

الدین ہیں کہ معاصرین میں یہ بات نہیں ملتی۔ بے خوف، بے گھجک۔ ہر شخص کے غیر شرعی عمل

پر ٹوک دینا ان کا طرہٴ امتیاز ہے۔“ (مفتی اعمام نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ، کان پور۔ مئی ۱۹۸۳ء)

جائین مفتی اعمام، حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا قادری رضوی ازہری تحریر فرماتے ہیں:

”سیدی مفتی اعمام، احتیاط اور اقصیٰ بالمعروف و نفی عن المنکر میں ان کا وہ مقام

تھا جو دوسرے حضرات میں نہ پایا جاتا تھا۔ قدم پر لوگوں کو برائی سے روکنا، نیکی کی تلقین کرنا

اور غیر شرعی حرکت پر بلا جھجک ٹوک دینا، یہ وہ خوبیاں ہیں جو سیدی مفتی اعمام میں ان کے ہم

عصروں سے زیادہ پائی جاتی تھیں۔“

(مفتی اعظم نمرہ استقامت ڈائجسٹ، کان پور۔ مئی ۱۹۸۳ء)

قاری محمد امانت رسول رضوی پہلی بھتی اپنے سفر حج و زیارت میں شریفین ۱۳۹۶ھ کے ضمن میں حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ء۔ مدفون جنت البقیع، مدینہ منورہ) سے ملاقات کے وقت مفتی اعظم سے متعلق آپ کے عقیدت مندانہ تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شہزادہ اعلیٰ حضرت، مرشد برحق، حضور مہتمی عظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے بنام قطب مدینہ (مولانا اشرف ضیاء الدین احمد مدنی) اپنے غلام محمد امانت رسول رضوی سے متعلق جو تحریر لیا تھا، خادم نے وہ پیش کیا۔

حضرت مدنی اس گرامی نامہ کو لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور عجیب و جدانی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔ اس خط کو کبھی اپنے سر پر رکھتے، کبھی اپنی آنکھوں سے لگاتے اور بار بار فرماتے: سُبْحَنَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہ۔ مَرُوحًا مَرُوحًا۔ یہ خط تو میرے مفتی اعظم کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔“

ایک مجلس میں حضرت مدنی نے فرمایا:

قاری صاحب! آپ کے مرشد، حضرت مفتی اعظم قبلہ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں ہوئی اور فقیر (ضیاء الدین احمد) کی ولادت ۱۳۹۴ھ میں ہوئی۔ فقیر کی عمر (مفتی اعظم کی ولادت کے وقت) سولہ (۱۶) برس کی تھی۔

۱۳۱۳ھ میں پہلی ہجرت (متصل ضلع بریلی) حضور (مولانا وصی احمد) مجذوبہ سورتی فقیہ سسرہ کے مدرسہ الحدیث میں زیر تعلیم تھا۔ ہر جمعرات حضور مجذوبہ سورتی کے ہمراہ، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت مفتی اعظم اُس وقت تین (۳) برس کے تھے۔ فقیر نے حضرت (مفتی اعظم) کو اپنی گود میں لیا ہے۔ فقیر مفتی اعظم کو جتنا جانتا ہے، دوسرا کوئی نہیں جانتا کہ فقیر نے ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا بھی دیکھ رہا ہے۔

لوگ بڑھاپے میں عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں عمل کی طرف متوجہ ہونا کوئی کمال کی بات نہیں۔ جوانی دیوانی مشہور ہے۔ جوانی میں تمہیں شریعت سے محفوظ رہنا اور شریعت مصطفوی پر عمل پیرا ہونا سب سے بڑا کمال ہے۔

ضیاء الدین احمد مدنی، بڑے فخر و ناز کے ساتھ گھوڑ خضر کے سامنے میں مدینہ پاک میں کہہ رہا ہے کہ:

فقیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مفتی اعظم بچپن ہی سے پیکرِ زہد و تقویٰ ہیں۔ اس وقت تو ان کی بزرگی کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟

اعلیٰ حضرت خود ان پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ وہ ظاہر و باطن میں سراپاے اعلیٰ حضرت ہیں۔ فقیر مدنی تو ان کو ثانی اعلیٰ حضرت کہتا ہے۔ مفتی اعظم، دنیا سے اسلام کی بزرگ ترین ہستی ہیں۔“

برادر اعلیٰ حضرت، استاذ العلماء علامہ حسن رضا صاحب بریلوی نے راقم الحروف سے فرمایا:

قاری صاحب! میں سچ کہتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم قطب الارشاد ہیں۔

میں ان کا پیچھے اٹھائی ہوں۔ ان کا ہم عصر، گھر کا ایک فرد ہوں۔

قاری صاحب! ان کا اور میرا بچپن ایک ساتھ گذرا۔ وہ بچپن میں بھی کھیل کود اور ہلو ولب سے دوڑتی رہے۔

میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ گھر میں دیکھا، باہر دیکھا۔

قاری صاحب! میرا یہ قول نوٹ کر لو۔

چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو واللہ! مفتی اعظم جیسا شیخ نہیں پاؤ گے۔“

یہ اُس بزرگ ترین اُستاز، مہتمی ہستی کے ارشادات ہیں جو اعلیٰ حضرت کے حقیقی جتھے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے شاگرد و خلیفہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے داماد ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مٹھلے بھائی، استاذِ زکون علامہ حسن رضا صاحب کے صاحبِ زاوے ہیں۔ اور مجذوبہ بریلوی مولانا تحسین رضا کے والد ماجد ہیں۔“

”فخر خاندانِ اشرفیہ، حضور مجذوبہ اشرف عظم ہند قدس سرہ، شہزادہ اعلیٰ حضرت، تاجدارِ اہل سنت، حضور مفتی اعظم قدس سرہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”آج کی دنیا میں جس کا فتویٰ سے بڑھ کر تقویٰ ہے۔“

(ص ۶۷ و ص ۷۷)۔ جہاں مفتی اعظم، برضا اکیڈمی ممبئی)

جائیں مفتی اعظم، حضرت مفتی اختر رضا قادری رضوی ازہری فرماتے ہیں:

”مفتی اعظم، علم و فضل کے دریا سے زار خاتھے۔ جزئیات، حافظے سے بتا دیتے تھے۔ فتاویٰ

قلم برداشتہ لکھا کرتے تھے، ان کا عمل، ان کے علم کا آئینہ دار تھا۔ ان کا علم دیکھنے کے بعد اگر کتاب دیکھی جاتی تو اس میں وہی ملتا جو مفتی اعظم کا عمل ہوتا۔“

(مفتی اعظم نمبر۔ ماہنامہ حجاز جدید، دہلی۔ شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۰ء)

اہتمام صلوة و جماعت کے بارے میں ناسپ مفتی اعظم، شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبہ افتاء، الجملۃ الاثر فیہ مبارک پور) اپنے گیارہ (۱۱) سالہ قیام بریلی وفاق مفتی اعظم کے مشاہدات اس طرح بیان کرتے ہیں

”حضرت مفتی اعظم کی عادت کربہ تھی کہ:

ہر نماز، مسجد میں حاضر ہو کر تازہ وضو سے باجماعت ادا فرماتے تھے۔ سفر کتنا ہی دشوار ہو۔ گاڑی میں کتنی ہی بھیڑ ہو۔ کبھی کوئی نماز، قضا نہیں ہوتی۔ اور فرض یا سنت پیٹھ کر ادا کر فرمائی۔“

اس سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ مگر کبھی کوئی پروا نہ کی۔“

(ص ۲۶۱) مضمون: مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔ لقمہ مفتی محمد شریف الحق امجدی۔ مشمولہ ”انوار مفتی اعظم“۔ باہتمام انجمن الاسلامی، مبارک پور۔ ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی۔ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء)

مفتی عبدالواجد قادری رضوی در بھنگوی (ہالینڈ) اپنے ایک مضمون میں ۱۹۶۵ء کے ایک دورہ بہار سے بریلی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اٹول وقت میں ظہر کی نماز ادا فرما کر حضور سیدنا مفتی اعظم، بریلی شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ آٹھ دس کلومیٹر کا راستہ ہڈیوں تین گھنٹوں میں طے ہوا۔ سینا مڑی آنے میں مزید دس کلومیٹر باقی تھے کہ: آپ نے فرمایا: میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔“

ڈرائیور نے کہا: جی! اخیر وقت تک ہم لوگ سینا مڑی پہنچ جائیں گے۔“

ایک کلومیٹر کے بعد آپ نے دوبارہ فرمایا: میں کہتا ہوں کہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔

ڈرائیور نے پھر اپنے جواب کو دہرایا۔ چند منٹوں کے بعد آپ نے سہ بار فرمایا:

کیوں نہیں سنتے ہو؟ میں کہتا ہوں کہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ، جیب کی باڈی پراپنا تھا مارا۔

ایسا لگا جیسے جیب میں خود بخود بریک لگ گئی ہو۔ ڈرائیور نیچے اتر ا۔ انجن کھولا اور دھک دھک کرنے لگا۔

حضرت نے فرمایا: چلیے۔ ہم لوگ نماز ادا کر لیں۔“

سامنے آم کا باغچہ تھا۔ اسی میں ایک کنواں بھی تھا۔ اور باغچے کے کنارے، خانہ بدوشوں کا ڈیرا تھا۔

میں نے اذان کہی اور اذان کی آواز سن کر خانہ بدوشوں کے ڈیرے سے دو شخص نکلے۔ ایک کے ہاتھ میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے ہائیڈی۔ اس نے پانی نکالا۔ خود وضو کیا۔ اور حضرت ساجد علی خاں کو بھی وضو کرایا۔ ہم تینوں با وضو تھے۔

حضور حافظ ملت (اشرفیہ مبارک پور) نے امامت فرمائی۔ پھر جیب کے درست ہونے کے انتظار میں ہم لوگ وہیں بیٹھ گئے۔

اس دور میں آلہ سمنڈر، الصّوت (لاؤڈ اسپیکر) کی اقتدا کا مسئلہ علما کے کرام کے مابین ایک سلگتا ہوا مسئلہ تھا لہذا میرے سوال کرنے پر حضور مفتی اعظم نہایت شرح و ربط کے ساتھ جواب دینے لگے۔ اور حضور حافظ ملت، دوزانو مذکور بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے کوئی مریدا شاگرد اپنے مرشد یا استاد معظم کے سامنے بیٹھا ہے۔

حضور مفتی اعظم کی گفتگو، طویل ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آگیا۔ اسی جگہ نماز مغرب ادا کی گئی۔

پھر ڈرائیور نے آواز دی کہ: جیب ٹھیک ہو گئی ہے۔ آپ لوگ تشریف لائیے۔“

(ص ۹۵۵-۹۵۶) جہاں مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ ممبئی)

شیخ الاسلام نواسید محمد منی اشرفی کچھ چھوڑی، شہزادہ محدث اعظم سید محمد محدث اشرفی کچھ چھوڑی تحریر فرماتے ہیں:

”بخاری و مسلم کا سننے والا جس یقین و اذعان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ و التسلیم) کے اقوال سنے، اسی یقین و اذعان کے ساتھ حضور مفتی اعظم کے

دیکھنے والے کو یقین ہے کہ کہے: ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی سچی تصویر دیکھی ہے۔“

فرائض و واجبات و منکرات کو رہنے دیجیے۔ جو سنتی، مباحات اور فطری خواہشات میں

بھی رسول کریم کی اطاعت و اتباع سے سر موٹا و زونہ ہو وہ رسول کریم کی سچی تصویر اور افعال رسول کی حفاظت کا پتھر نور نہیں تو اور کیا ہے؟

(ص ۱۲۶- مفتی اعظم نمبر ۱- استفتاءات و اجازت، کان پور شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی (مانچسٹر، انگلینڈ) مفتی اعظم کی نماز میں خشوع و خضوع کی روحانی منظر کشی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”امام احمد رضا نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ حضور غوث اعظم و خواجہ خواجگان علیہم السلام رحمۃ اللہ علیہ کی سنت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تلامذہ کی ایک عظیم جماعت تیار کی جس کا ہر فرد اس دور کے علوم و فنون متداولہ کے علم و فن کا امام تھا۔

ان شخصیات میں امام العارفین، رئیس الاقنیاء، مفتی اعظم، حضرت مولانا صفی رضا علیہ الرحمۃ و الوضوٰں کی ذات، سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔

وہ نہ صرف یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے بلکہ حقیقی طور پر ان کے علم و تقویٰ، ان کی غیرت دینی، ان کی جلالت شان اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر کامل تھے۔

وہ ایک عظیم فقیہ، عظیم محدث، عظیم مصلح، عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ولی کامل اور یم مہر طریقت تھے۔

امام اہل سنت امام احمد رضا قادی برکاتی علیہ الرحمۃ و الوضوٰں نے اپنے مصہب ولایت کو اپنی تفقہ کی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ کہ ایک مجتہد و وقت ہونے کے ساتھ فانی الرسول، صاحب جذب و شوق ولی کامل تھے۔ انہوں نے اپنے واردات نبوی اور اپنے مشاہدات باطنی کو اپنے اشعار میں نمایاں فرمایا ہے۔ مثلاً

پیش نظر ہو ذہبا، تجھ کے بول ہے بے قرار رو کیے سر کو رکھے، ہاں یہی امتحان ہے

☆☆☆☆

اے شوق دل! یہ سجدہ گران کو روا نہیں اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

لیکن امام احمد رضا کی شخصیت کا یہ پہلو حضور مفتی اعظم کی ذات میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ حضور مفتی اعظم کے نزدیک ”توحید“ محض ایک لفظ نہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے۔ حضور مفتی اعظم کے لئے توحید کا یہ لفظ انہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے۔ بلکہ ایک کیفیت ہے جو ان کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعین سے بے گاہ کر دیتی ہے۔

چنانچہ جب وہ نماز پڑھنے کے لئے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے تو ایک خاص کیفیت ان پر طاری ہوتی تھی۔ جس کا مشاہدہ ان سیکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے جنہوں نے انہیں نماز ادا فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔

وضو اس طرح فرماتے کہ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے، طہارت کاملہ کے ذریعہ خود کو دکھا رہے ہوں۔

سُکُن و مُتَحَبَّات اور تمام جو بنیات کا کامل اہتمام فرماتے تھے۔ عمامہ شریف سر پر رکھتے اور عبا زینب تن فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مسجد و حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے خود کو راستہ کر رہے ہیں۔ کہ کہیں کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے۔ کہیں کوئی آستین مڑی نہ رہ جائے اور گریباں چاک حاضری کا الزام عائد نہ ہو جائے۔ کہیں لاابالی پن اور کسل مندی نہ نمایاں ہو جائے۔ اس لئے کہ یہ سب ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

نماز کی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ محسوس ہوتا تھا کہ کلنگ تلوہ کے کیف سرمہ کی ڈوبے ہوئے ہیں۔ دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی خدام نے شدید گرمی کے موسم میں جب وہ حالت نماز میں تھے، پگھلا جھلنا شروع کر دیا تو اسلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ ایک بندہ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں

حاضر تھا اور تم میری خدمت کر رہے تھے؟ کیا ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت کا کو لے کر حاضر ہو سکتا ہے؟

لوگ خدا کو شہید و بصیر مانتے ہیں مگر مفتی اعظم کی ذات پر خدا کے شہید و بصیر ہونے کا احساس اس قدر غالب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔

کسی نے سوال کیا کہ: حضرت! آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سنت کے مطابق

کھانا کھانے سے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے؟

جواب عطا ہوتا ہے کہ: تم کو، لوگوں کا احساس ہے مگر یہ احساس نہیں کہ تم رزاق مطلق کا رزق کھا رہے ہو اور تم اس کے بندے ہو۔ کیا ایک بندہ اپنے آقا کے حضور میں کبر و نخوت کے

انداز سے کھانا کھاتا ہے؟
 کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں رزش محسوس کی۔ اور وضو کے لئے لوٹے میں
 آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالنا چاہتا تو منع فرمادیا۔ اور فرمایا کہ:
 وضو نماز کے اہتمام کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی عبادت ہے۔ اور عبادت غیر مقصود میں بھی
 حتیٰ الامکان کسی غیر سے مدد نہیں لینا چاہیے۔“
 سرکاری اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، سفر حضر میں اوقات مستحبہ میں نماز کی ادائیگی
 کا اہتمام خود بھی فرماتے اور فقط سہ سفر نیز غدا ام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔
 حاضر باشوں میں اگر کسی کی نماز گھر پر بھی قضا ہوتی تو سرکاری اعظم اسے محسوس فرماتے
 اور بوقت ملاقات چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہوتے۔
 اور خادم محسوس کر لیتے کہ گھر پر نماز قضا ہوگئی ہے اس لئے حضرت ناراض ہیں۔
 یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اسے خدائے پاک کی بارگاہ سے یہ
 توفیق ملتی ہے کہ اس کی نماز بھی قضا نہ ہو۔ چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ:
 مفتی اعظم اگر پلیٹ فارم پر نماز ادا فرما رہے ہیں اور ٹرین روانہ ہوگئی تب بھی آپ نماز میں
 اسی محویت کے عالم میں مصروف نماز رہے اور ٹرین، اسٹیشن کے حدود سے باہر نہیں نکل سکی۔ بلکہ
 کسی ٹھکنی خامی کی وجہ سے روک دی گئی۔
 آپ نے نماز کمال اطمینان و خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور ٹرین پر بیٹھ گئے
 تو ٹرین روانہ ہوئی۔
 وصال سے پہلے کم و بیش دو سال تک صاحب فرارش رہے اور کیفیت خاص سے دو چار رہے
 ۔ جو بہت سے اولیاء کو ام وصال محبوب حقیقی سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔ یہ مشاہدہ انوار الہی کی
 کیفیت ہے۔ اس حالت میں ساکال راہ طریقت کو دنیا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔
 حضور مفتی اعظم ہند کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ سے ملنے کے لئے آتے۔ مگر آپ انہیں
 پہچانتے نہیں تھے۔ کبھی کبھی ایک فرد سے کئی بار پوچھتے کہ آپ کس آپ لئے ہیں؟
 مگر قربان جانے کہ جب نماز کا وقت داخل ہوتا تو آپ مکمل شعور کے ساتھ بیدار ہو جاتے
 ۔ پورے اہتمام سے وضو فرماتے۔ اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔

کچھ لوگ منتظر رہتے۔ آپ انہیں مریہ فرماتے۔
 اور بستر پر دراز ہوتے تو پھر اسی عالم میں چلے جاتے۔“
 (ص ۲۶۹۔ ص ۲۷۰۔ جہاں مفتی اعظم رضا اکیڈمی، بمبئی)
 بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی (سابق شیخ الحدیث الجلیلۃ الشریفہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ،
 یوپی) تحریر فرماتے ہیں:
 ”گھر سے آپ کے برآمد ہوتے ہی کئی آدمی آپ کے آگے پیچھے سے گھیر لیتے اور مسجد کے
 دروازہ تک پہنچتے پہنچتے۔ جو مشکل سے پیچاس قدم کی دوری پر ہوگا۔ کسی کو دست بوسی کا شرف بخشے
 ۔ کسی کو مصافحہ سے نوازتے۔ اور کسی کے سلام کا جواب دیتے۔ اتنے میں مسجد کے دروازے میں
 داخل ہو جاتے۔ نہایت متانت و آہستگی کے ساتھ اللہم افسح لی ابواب رحمتک بڑھتے
 اور عمامہ اتار کر وضو کے لئے بیٹھ جاتے۔
 جو شخص، عام انسانوں کے سامنے بھی سر کھول کر نہ آیا ہو۔ جس کو لوگوں نے علی العموم
 تاج کرامت اور کلا عزت کے ساتھ دیکھا ہو۔ اور جو مسجد میں ابھی اسی انداز سے داخل ہو،
 وہ اپنے رب کے حضور، یوں ننگے سر ہو کر خادمانہ حاضر ہو۔ یہ دیکھ کر دوسروں میں بھی
 جذبہ عبودیت بچھڑا لگتا تھا۔
 خادم، ایک بڑے لوٹے میں نصف کے قریب پانی پاس ہی رکھ دیتا اور آپ اسی ”مُتَوَضَّعًا“
 پر تشریف فرما ہوتے جہاں وضو کے لئے پائپ لگے ہوتے ہیں۔
 پہلی بار جب میں نے یہ حالت دیکھی تو مجھے یہ طویل عمل معلوم ہوا۔ لیکن دریافت سے معلوم
 ہوا کہ کل سے وضو کرنے میں زیادہ پانی ضائع ہوتا ہے اس لئے حضرت بکل سے وضو پسند نہیں
 کرتے کہ وضو میں پانی کا ضائع کرنا اسراف ہے۔
 میں نے پوچھا: پانی کیوں آدھا لوٹا رکھا گیا؟ تو معلوم ہوا کہ لوٹا بھر دیا جائے تو حضرت کے
 ہاتھ سے اٹھ نہ سکے گا۔
 خیال ہوا کہ دوسرا آدمی وضو کر دیتا۔ دوسرے ہی لمحہ خیال آیا کہ وضو خود ہی کرنا مستحب ہے۔
 سارے اعضاء، سہمت کے موافق، مکمل طور پر وصلے۔ چہرہ وصلے وقت البتہ دھیوں
 بار آنکھوں پر پانی کے چھینٹے دیتے۔

چوں کہ کسی کے دل میں خیال آسکتا تھا کہ کہاں تو پانی کے استعمال میں وہ احتیاط اور کہاں یہ کشادہ دستی؟ وفتح شہر کے لئے خود ہی فرمادیتے، بار بار آنکھیں چپک جاتی ہیں۔ یعنی آنکھ سے بطور مرض جو پانی نکلے وہ ناقض وضو ہے۔

پورے وضو میں ادرعیہ ماثورہ کی تلاوت، پست آواز میں جاری رہتی۔
ارکان نماز کی ادائیگی میں تو معبود طریقے ہی مرتبے لیکن خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ

پوری نماز میں آپ کے وجود پر عبودیت کی شان اور بندگی کا جمال طاری رہتا تھا۔

دیکھنے والا دور سے ہی فیصلہ کر لیتا کہ ایک مومن قنوت نے اپنے مولیٰ کی رضا جوئی میں اپنے وجود کو عجز و در ماندگی اور عرض و انتماس کے ڈھانچے میں ڈھال لیا ہے۔ فُوْضُوْا لِلّٰہِ قَاتِنِیْنَ۔

آخری اوقات میں جب ضعف و نقاہت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا اور بیٹھے رہنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ دیکھا گیا کہ مسجد میں جب تک بیٹھے ہیں مسلسل کراہے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو سہارا دیا جاتا ہے۔ بیٹھے ہیں تو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چلتے ہیں تو لوگ دونوں طرف سے سنبھالے رہتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی تکبیر شروع ہوتی، ایسی چستی کے ساتھ کھڑے ہو جاتے جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔

پوری نماز، قیام و رکوع کے ساتھ نہایت تن دہی اور مستعدی کے ساتھ ادا کرتے اور اُرف تک کی آواز نہ آتی۔ جیسے قیام و قعود و رکوع و سجود کی مشقتیں، ہشیت الہی اور خوفِ ربّانی میں تحلیل ہو گئی ہوں کہ ارشاد باری ہے:

وَ اِنْهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلٰی الْخٰشِعِیْنَ (سورہ بقرہ ۲/۲۵)

بے شک نماز سخت بوجھل اور گراں ہے۔ مگر اللہ کے خوف سے ڈرنے والے کے لئے۔“

یابیوں کیسے کہ ساری کافیتیں، آرام و راحت میں بدل گئیں کہ ارشاد نبوی ہے:

فُوْءٌ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین، نماز ہے،“

(ص ۲۴۵ و ۲۴۶۔ جہانِ مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ ممبئی)

اتباعِ شریعت و متابعتِ سُنّت کی مثالیں پیش کرتے ہوئے استاذِ محترم، بحرِ العلوم، مولانا مفتی عبدالمنان مبارک پوری اعلیٰ تحریقات کرتے ہیں:

(۱) جمعہ کے دن مصلیٰوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانے والوں کے بارے میں رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک وعید ہے:

مَنْ تَخَطَّی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جَسْرًا اِلٰی جَهَنَّمَ۔ (حدیث ۱۳۹۲۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ دار الفکر۔ بیروت)

جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردن پھلانگی اُس نے جہنم کی طرف پل بنایا۔

اس فرمان والا شان کے بموجب شریعتِ اسلامیہ کا حکم ہے کہ:

جمعہ کے دن، جامع مسجد میں مصلیٰوں کی گردن پھلانگ کر آگے جانا شرعاً ممنوع اور

معصیت ہے۔ ہاں! اگر اگلی صف والوں نے جگہ چھوڑ رکھی ہو تو اسے پُر کرنے کے لئے جایا جاسکتا

ہے۔ کہ صف پُر کیے بغیر پیچھے بیٹھ کر ان لوگوں نے اپنی آخرت خود ضائع کی۔

اس شرعی مسئلہ کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱۹۸۳ء سے) تیس (۳۰) پینتیس (۳۵) سال پہلے کی بات ہے کہ اشرفیہ مبارک پور

کے پہلے ناظم الحاج محمد عمر کے خلف المصدق مولانا ثناء احمد صاحب غالباً پہلی بار مبارک پور میں

حضورِ اعلیٰ عظم کو لائے۔ اور آپ کی تشریف بالکل نجی اور بغیر کسی سابقہ اطلاع کے صرف شخصی

دعوت پر ہوئی۔ اس لئے عوام اہل سُنّت تو کیا، اشرفیہ کے ذمہ داروں کو بھی اس کی پیشگی خبر نہ ہو سکی

۔ دن جمعہ کا تھا۔ جمعہ کے دن مولانا ثناء احمد صاحب، حضرت کو لے کر اُس وقت پہنچے کہ مسجد بھر چکی

تھی۔ موسم گرمی کے تھے اس لئے مصلیٰوں کی آخری صفیں دھوپ سے بچنے کے لئے بالکل مسجد

سے علی علی مسجد سے پور بی دیوار کے سامنے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

حضرت مفتی اعظم کو پناہ عجمہ اور غالباً زرد رنگ کی صدوری اور دوپٹی ٹوپی اوڑھے ہوئے

تشریف لائے۔ گرمی سے بچنے کے لئے تولیہ سر پر ڈال رکھا تھا۔

آج سے لگ بھگ تیس (۳۰) سال قبل اہل مبارک پور کے دلوں میں علما و مشائخ کی جو

قدردن و منزلت تھی۔ ادھر حضرت کا پُر نور چہرہ اور دلکش شخصیت۔ پھر ساتھ میں مولانا ثناء احمد۔

لوگوں نے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ کوئی بڑے عالم دین ہیں۔ اور ادھر ادھر ہو کر آگے

جانے کے لئے آپ کو راستہ دینے لگے۔ کیوں کہ مسجد میں علما کے ساتھ ان کے احترام و عقیدت

کا معمول تھا۔ لیکن مفتی اعظم دھوپ میں ہی تولیہ بچھا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئے۔ اصرار کے

باوجود آگے نہیں بڑھے۔ یہ سارا واقعہ ادھر ہی ہو رہا تھا جدھر میں تھا۔

نہتے نہنا کر اعداء عرض کیا : "نہا نہ سوسو آضعر کم حضرت، نہا نہ کا مال، اتھ ہوتا تو تم کھیں بھگ جائیں۔ اور ڈیڈ بائی آنکھوں سے دیر تک مقرر کرتے رہتے۔

میں تقریر کے دوران میں نے یہ کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ”لفظ نو“ استعمال فرمایا۔“

تقریر ختم ہوئی اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے اُن کے فیضِ صحبت سے محفل بڑی پُرکِیف پُر نور رہی۔

دوسرے دن ساتھ ہی قصبہ گھوٹی (ضلع اعظم گڑھ) کے لئے واپسی ہوئی۔ راستہ

میں بڑے خوش گوار ماحول میں باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دوران آپ نے فرمایا:

”رات آپ نے تقریر میں اللہ کے لے لعل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اگر کہیں قرآن وحدیث میں یہ لفظ (عمل) ذاتِ باری کے لئے آیا ہو تو اس کا بولنا صحیح ہو گا ورنہ نہیں۔ اس امر کی تحقیق کر لیجیے گا۔“

آج پندرہ سال ہو گئے۔ اور میں اس سلسلے میں غور کرتا رہتا ہوں۔ مجھے تو کوئی ایسا نکل استعمال نہ ملا۔

دوسری بار مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے ہمیں نے کہا:

پانصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں۔“

ایک بار دوسری طرف پوری طرح مخاطب ہو کر نہایت بلند آواز میں بے حد ہزاروں کے ساتھ گویا مجھ پر پھٹ پڑے:

مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلہٖ وَسَلَّم کی اُمت، پانصیب ہو آپ اس کو پانصیب نہ کہیے۔ کچھ اور کہہ لیجیے۔“

حق یہ ہے کہ جس اُمت کے نگہبان، رسولِ عربی ہوں وہ اُمت، پانصیب کیسے ہو سکتی ہے؟

چم دیا اور اُمت راکہ دار و چوں تو پستی باں

چمباک از موج بحر آں راکہ دار و چوں تو کشتی باں

اُمت کی دیوار کو کینا غم جو تیرے جیسا سہارا رکھتی ہے۔ اور طوفانِ نوح سے اس کو کیا خوف جو تیرے جیسا کھیلن ہمارا رکھتی ہے۔“

(ص ۲۲۶ تا ۲۲۹ جہان مفتی اعظم۔ زیر اہتمام مجمع الاسلامی مبارک پور۔ مطبوعہ

رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء مفتی اعظم نمبر ہاندا مستقامت کا ن پور۔ مئی ۱۹۸۳ء)

مفتی اعظم قُلَسِ بسو کا ایک وصف خاص یہ تھا کہ جن دینی جلسوں کی دعوت قبول فرما لیتے

ان میں ضرورت شرکت کرتے اور مدارس کے جلسوں میں بڑی دل چٹھی کے ساتھ شرکت

فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ان کی طرف سے پیش کردہ نذرانہ قبول نہیں کرتے یا اصرار کرنے پر قبول فرما لیتے اور پھر اسے اپنی جانب سے مدرسے کو عطا فرما دیا کرتے تھے۔

تعلیمی کانفرنس مبارک پور ۱۹۷۲ء میں شرکت کے بعد واپسی کے وقت کا واقعہ حضرت علامہ

ارشاد القادری (متوفی ۲۰۰۲ء) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”حضور مفتی اعظم ہند جب رخصت ہونے لگے تو ہم نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا

چاہا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: کیا ہے؟

جلدی میں میرے منہ سے نکل گیا: کراہیہ ہے۔“

حضرت نے فرمایا: میں کراہیہ کا مولوی نہیں ہوں۔“

اس جواب پر میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ رہ رہ کر چھٹکاؤا ہوتا تھا کہ میرے منہ سے یہ جملہ کیوں

نکل گیا۔ کچھ اور کہہ دیا ہوتا۔ (رفاقت۔ پٹنہ۔ شمارہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء)

”خاص طور پر ان مدرسوں کے اجلاس میں ضرورت شرکت فرماتے جن کے ذیل میں کسی

عظیم عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب ہوتی۔ اس طرح کے موقع پر سب سے پہلے عطیہ

جو چندہ کی جھولی میں پڑتا وہ خود مفتی اعظم ہند علیہ التَّحْمَةُ وَالْوَضُوْا کی طرف سے ہوتا۔

مدارس کے جلسوں میں حضرت کا معمول یہ تھا کہ:

وہ مدرسوں سے نہ نذرانہ قبول کرتے اور نہ سفر خرچ۔“ (رفاقت۔ پٹنہ۔ دسمبر ۱۹۸۱ء)

اس سلسلے میں جامعہ جمعیہ زیر ضویہ، بنارس کے جلسہ دستار بندی کا بھی ایک واقعہ مشہور ہے کہ

جبل پور، مدھیہ پردیش سے بذریعہ کار آپ بنارس پہنچے۔ واپسی کے وقت ارکانِ جامعہ

جمعیہ یہ نے یہ سوچ کر کہ حضرت اتنی دور سے بذریعہ کار تشریف لائے ہیں۔ پٹرول وغیرہ کا اچھا

خاص خرچ ہوا ہے۔ اس لئے آپ کی خدمت میں کسی تدبیر سے کچھ نذرانہ پیش کرنا ضروری ہے۔

ارکانِ جامعہ نے نذرانہ پیش کیا جسے آپ نے قبول نہ فرمایا تو مشورہ کر کے انھوں نے رقم

کے حصے کر کے فرداً فرداً حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے ان کا نذرانہ قبول

فرمایا مگر اسی وقت سارا نذرانہ واپس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”میں اس نذرانہ کو جامعہ جمعیہ کے لئے وقف کر رہا ہوں۔“

ایک واقعہ منظرِ بدایونی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

”دکشمیر کے کوئی صاحب تھے۔ بارگاہِ نوری کے عاشق تھے۔ دل نے کروٹ بدلی اور کشمیر سے بریلی پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت کی زیارت ہو جائے۔ چورہا ہو گیا۔ ایک قیمتی گھڑی ”او بیگا“ ساتھ لائے تھے، نذرانہ بارگاہ کرنے کے لئے۔ مگر مزاج سمجھ رہے تھے کہ دُنیوی حرص سے جس کا وجود خالی رکھا گیا ہے اس کی بارگاہ میں کیسے کسائی کی جائے؟ بالآخر مزدہاد اے ہممت مردانہ۔ دل کی بات زبان پر آئی گئی۔ حضور! ایک گھڑی لایا ہوں تاکہ اس سے وقت دیکھ سکیں۔“

ارشاد ہوا: فقیر کو اس کی ضرورت نہیں۔

عرض کیا: حضور! بڑی آرزو کے ساتھ اسے خریدا ہے۔

اصرار ہوا تو جواب ملا کہ لاؤ۔

تالیفِ قلب کے لئے دے دینے ہاتھ پر باندھا اور واپس کر دیا۔

ارشاد ہوا: آپ کی خواہش تھی اس لئے باندھ دیا۔

اب اسے آپ پہنچے۔

(ماہنامہ حجاز جدید۔ دہلی۔ شمارہ نمبر ۱۹۹۱ء)

مولانا چراغِ عالم حامدی، رضوی، سابق شیخ الحدیث مدرسہ اجماعِ معلوم، سنہ ۱۹۷۱ء

مراد آباد۔ یو پی لکھتے ہیں کہ:

”مدرسہ اجماعِ معلوم، سنہ ۱۹۷۱ء سالانہ اجلاس میں حضرت مفتی اعظم تشریف لائے۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لوگ بیعت ہوئے۔

دو شخص پہلے کے مُرید تھے۔ پانچ پانچ روپے ہر ایک نے نذر پیش کی۔ اسے آپ نے نہیں لیا۔ ان دونوں نے بہت اصرار کیا۔ حاضرین نے بھی کہا۔ قبول فرما کر ان دونوں کو واپس کر دیا۔ وہ دونوں بہت غریب تھے۔ ان کی مالی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ پانچ روپے کا نذرانہ پیش کرتے۔ ایک صاحب کی تو گل دس روپیہ ماہوار تنخواہ تھی۔ اور دوسرے صاحب سیفی تھے۔ ان کو کبھی کبھی کام بھی نہیں ملتا تھا۔

حضرت نے پہچان لیا کہ یہ محبت میں نذرانہ دے رہے ہیں۔ قبول کیا اور پھر ان کو اپنی جانب سے مدد کے طور پر دے دیا۔

اس واقعہ کا میں نے حضرت الحاج قاضی عبدالرحیم صاحب بسطوی سے ذکر کیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا:

میں ایک بار حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ، گجرات گیا تھا۔ حضرت نے تقریباً پانچ ہزار روپے لوگوں کو واپس فرمایا ہوگا۔

مُریدین تو اپنی عقیدت میں پیش کرتے ہیں۔ حضرت اپنے کشف سے جان لیتے ہیں کہ یہ مُرید اس حیثیت کا نہیں ہے۔ لہذا اس کو واپس کر دیا کرتے تھے۔

پہلے قبول کیا پھر اسے اپنی جانب سے عطا فرمایا تاکہ اس کی دل جونی بھی ہو جائے۔

نابالغ بچے کے ہاتھ کا نذرانہ کبھی قبول نہیں فرمایا۔ بعض لوگ اپنے بچوں کو حضرت کی خدمت میں لاتے۔ ان سے نذر پیش کراتے۔ قبول نہ فرماتے۔ تعویذ پر تعویذ دینے کے باوجود کبھی کسی کا نذرانہ قبول نہیں فرمایا۔

حضرت مولانا آلِ حسن سنہلی صاحب مرحوم نے ناگ پور کا واقعہ سنایا کہ:

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ ناگ پور تشریف لائے۔ وہی ایام، کبھی یمن میں حضرات کے یہی کھانا تبدیل ہونے کے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت کو اپنے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ اور اپنے یہی کھاتوں پر تبرک کچھ کر کر لیا۔ اس کے بعد نذرانہ پیش کیا۔ کسی کا نذرانہ قبول نہ فرمایا۔ کئی ہزار روپے اس طرح سے حضرت نے قبول نہیں فرمایا۔

مدارس عربیہ کے جلسوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ بہتم حضرات نے نذرانہ پیش کیا۔ سنہ ۱۹۷۱ء میں (ضلع مراد آباد) کا حال مجھے معلوم ہے۔

حضرت مولانا الحاج مفتی محمد اشفاق حسین نسیمی صاحب قبلہ مفتی اعظم راجستھان کے دارِ معلوم اسحاق تیک کا حال مجھے معلوم ہے۔ نیز زبانی بھی میں نے تحقیق کی۔ معلوم ہوا کہ نذرانہ قبول نہیں کیا۔

اس واقعہ کو میں نے حضرت استاذی مولانا الحاج محمد مبین الدین صاحب امر و ہوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ذکر کیا۔ حاجی صاحب قبلہ امر و ہوی نے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے ایک بار فرمایا تھا کہ:

مدارس کے بہتم صاحبان بڑے بظاہر، لہذا وہی تم جو مدارس میں آتی ہے، احتیاط نہیں کرتے ہیں۔ سب رقم کو ایک ساتھ جمع دیتے ہیں۔ لہذا ان کو کوۃ، لہذا ان کی رقم میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔“

(ص ۲۸۱ و ۲۸۲)۔ جہاں مفتی اعظمؒ - رضا اکیڈمی، بمبئی - ۱۹۰۰ء) مفتی عنایت احمد نعیمی (سابق پرنسپل الجمعیۃ الغوثیہ - اترولہ - ضلع گوڈہ - یوپی) لکھتے ہیں کہ جب وہ دارالعلوم تنویر اسلام، امرڈوڈھا ضلع بہتلی یوپی کے نائب صدر مدرس تھے تو ۱۹۰۷ء میں حضرت مفتی اعظمؒ نے ضلع بہتلی (صوبہ اتر پردیش) کے بعض مقامات کا تبلیغی دورہ کیا تھا۔ اور اسی دورہ میں آپ، مدرسہ تنویر اسلام امرڈوڈھا ضلع بہتلی بھی تشریف لائے تھے۔ مدرسہ کے ناظم جناب سیٹھ محمد حسنؒ نے اپنی جانب سے آپ کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرنا چاہا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نعیمی لکھتے ہیں:

(سیٹھ محمد حسنؒ نے) - بوقت روانگی، حضرت کی خدمت میں اپنی جیب خاص سے کچھ رقم نذر کرنا چاہا۔ حضرت مفتی اعظمؒ نے خادم سے دریافت فرمایا: کیوں ہیں؟ میں نے عرض کیا: حضور! یہ مدرسہ کے ناظم محمد حسنؒ صاحب ہیں۔ حضرت نے فرمایا: میں مدرسوں سے نذرانہ نہیں لیتا۔“

.....میں نے دوبارہ عرض کیا کہ ناظم اعلیٰ جو نذر پیش کر رہے ہیں وہ رقم مدرسہ کی نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی ذاتی رقم ہے۔

تو، یہ مشکل حضور نے قبول فرمایا اور ساتھ ہی مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اُن سے کہیے کہ اپنا چہرہ اور لباس، اسلامی بنائیں۔ یہی میرے لئے بہترین نذرانہ ہے۔“ (ص ۲۹۳)۔ جہاں مفتی اعظمؒ - رضا اکیڈمی - بمبئی)

پندرہ (۱۵) بیس (۲۰) سال پہلے کی بات ہے کہ راقم سطور (بسن اختر مصباحی) ایک مرتبہ رضا اکیڈمی، بمبئی کے آفس (جو اُس وقت کا بکرا سٹریٹ میں تھا) میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک معترض تشریف لائے۔ غالباً ان کا نام عبدالقادر شریف تھا۔ جو بمبئی ہی کے رہنے والے اور حضور مفتی اعظمؒ کے مرید تھے۔ انھوں نے دوران گفتگو ایک واقعہ سنایا کہ:

حضور مفتی اعظمؒ ایک بار بمبئی تشریف لائے۔ بہت پہلے کا یہ واقعہ ہے۔ کسی خاص جگہ آپ رونق افروز تھے اور پردوں و عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ایک متول شخص نے پانچ ہزار روپے کی گڈی آپ کی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔

آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ حضور! یہ میری طرف سے نذرانہ ہے۔“

آپ نے اسے نذرانہ واپس کر دیا اور اصرار کے باوجود قبول کرنے سے انکار کیا۔ اسی مجلس کی بات ہے کہ ایک مزدور پیشہ آدمی آیا اور اس نے دو روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟

اس نے عرض کیا حضور یہ میری طرف سے نذرانہ ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا: حضور! میں سڑک پر ٹھیل چلاتا ہوں۔“

آپ نے اس غریب مخلص کی جائز کمائی کی نذر قبول فرمائی۔

ٹھیلہ حضرات کی زبانی میں نے سنا کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ کر آپ کو کچھ رقم پیش کرتا کہ: یہ آپ کے مدرسے کے لئے ہے۔ تو اس شخص کا نام و پتہ لکھ کر رقم کے ساتھ اسے صدری کی دوسری جیب میں رکھتے اور بریلی واپس آتے ہی وہ رقم جمع نام و پتہ، مدرسے کے حوالے فرمادیتے۔

مفتی محمد اختصاص الدین اجملی (مدرسہ اجملی، جمل، علوم، سنہیل) (فرزید اجملی مولانا مفتی الشاہ محمد اجملی) نے اپنی چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

میں ایک بار بریلی شریف میں حضرت مفتی اعظمؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے مسجد رضا (بریلی) کی تعمیر کے مدد میں کچھ روپے پیش کیے۔ حضرت نے اسے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ مولانا ساجد علی خاں بریلوی وقت موجود نہیں تھے۔ کہیں سے آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ:

ایک صاحب، مسجد رضا کے لئے کچھ روپے دے گئے ہیں اسے اپنے پاس رکھ لیں۔“ جن صاحب نے روپے دے تھے وہ چاکے تھے۔

جب اپنی جیب میں حضرت نے ہاتھ ڈالا تو روپے نہ تھے۔ آپ نے وہ روپے سہو اپنی اُس جیب میں رکھ لیے تھے جس میں ذاتی اخراجات کی رقم تھی۔

حاضرین سے آپ نے دریافت فرمایا کہ کتنے روپے یا کتنے کا نوٹ دیا ہے؟

حاضرین نے لامعلیٰ کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی جیب کی ساری رقم نکالی اور ارشاد فرمایا کہ: انھیں میں وہ روپے بھی ہوں گے۔

پھر آپ نے وہ تمام رقم جو اس جیب میں تھی اُسے مسجد رضا کے لئے مولانا ساجد علی خاں کے حوالے کر دیا۔

مفتی اعظمؒ نے زندگی میں کبھی چندہ نہیں کیا۔ باوجود اسے کہ آپ دارالعلوم مظہر اسلام،

مولوی سردار احمد اُٹھ گئے لطف سارا، درس کا جاتا رہا
 غوثِ اعظم، قطبِ عالم کا غلام ناحبِ شہاد رضا جاتا رہا
 حضرت صدرِ اشریعہ کا وہ چاند میرا مہر پُندِ ضیا جاتا رہا
 مفتی اعظم ہند سے محدثِ اعظم پاکستان کو کتنی محبت و عقیدت تھی اس کا عکس، مولانا محمد حسنین علی رضوی کی اس تحریر سے بخوبی واضح اور نمایاں ہے:

”ایک بار، بریلی شریف سے سیدنا محدثِ اعظم پاکستان کے نام سیدنا مفتی اعظم علیہ السلام کا ایک بڑا ہی روح پرور مکتوب آیا تھا۔ جس میں محدثِ اعظم پاکستان کو بہت دعائیں دی تھیں۔ تو دیکھا گیا کہ:

حضور مفتی اعظم قبلہ کا یہ مکتوب گرامی اپنے دارالطالعہ میں تنہا بیٹھ کر بڑے کیف و سرور اور ایک خاص روحانی کیفیت سے پڑھ رہے ہیں۔

کبھی اس مکتوب کو اپنا عمامہ اٹھا کر سر پر رکھتے ہیں۔ کبھی کتاب کا دامن اٹھا کر سینے سے لگاتے ہیں۔ کبھی چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور زار و قطار رو رہے ہیں۔ چشمان مبارک سے آنسوؤں کا آبشار پھوٹ پڑا ہے۔

ڈرتے ڈرتے عرض کیا: حضور یہ کیا ہے؟

بڑے والہانہ انداز میں فرمایا:

یہ میرے حضور مفتی اعظم قبلہ کا مکتوب گرامی ہے۔ یہ شہزادہ اعلیٰ حضرت کا ملفوفِ سامی ہے۔“

بخ (ص ۳۸۳)۔ جہانِ مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ بمبئی

محدثِ اعظم پاکستان کے ساتھ حضرت مفتی اعظم کی شفقت و محبت اور آپ کی بارگاہ میں محدثِ اعظم کے ادب و احترام کا جلوہ اور وہی پاکیزہ جذبہ استاذی الکریم حافظِ ملت مولانا الشاہ عبدالعزیز مراد آبادی، محدثِ مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) کے اندر نظر آتا ہے۔ جو محدثِ اعظم پاکستان کے ہم سبق ساتھی اور صدرِ اشریعہ کے تلمیذ رشید تھے۔

مفتی محبوب رضا روشن القادری (فارغ التحصیل از دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف، ۱۹۶۲ء) بیان کرتے ہیں کہ

۱۹۶۵ء میں انھوں نے مدرسہ رضاء العلوم، کھنواں ضلع سیتا مڑھی، بہار میں ایک کانفرنس

بریلی شریف کے بانی اور اس کے اخراجات کے کفیل تھے۔ اور اس کے اخراجات کے سلسلے میں آپ مقروض بھی ہو جایا کرتے تھے۔

مولانا محمد حسنین علی رضوی (میلے)۔ پنجاب۔ پاکستان) لکھتے ہیں کہ:

”جب حضور سیدی و سندی محدثِ اعظم پاکستان (مولانا سردار احمد رضوی لاکل پوری) رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں صدر الدرسین و شیخ الحدیث تھے۔ ان کے ایشار و خلوص سے متاثر ہو کر حضور مفتی اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ اس سلسلے میں آپ ہزاروں کے مقروض ہو گئے تھے۔ آپ کی دوکانیں بھی رہن ہو گئی تھیں۔

حضور صدرِ اشریعہ مولانا (محمد امجد علی اعظمی رضوی) غلّیس بسرہ اپنے صاحبِ ثروت کا ٹھیکہ واری میمن سیٹھ صاحبان کے ہمراہ عرسِ رضوی کے موقع پر آستانہ عالیہ رضویہ (بریلی شریف) حاضر ہوئے۔ اور حضرت سیدنا مفتی اعظم کی قیادت میں سرکارِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزایر اُنوار پر حاضری دی۔ میمن سیٹھ صاحبان، ہمراہ تھے۔

حضور صدرِ اشریعہ نے اپنے مرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا:

حضرت مفتی اعظم صاحب کو نذر پیش کریں۔“

سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے اور حضرت مفتی اعظم، ہاتھ قرض سے سبک دوش ہوئے۔“

(ص ۳۸۵)۔ جہانِ مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ بمبئی

محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رضوی لاکل پوری، (ولادت ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء) دیال گڑھ ضلع گورداس پور۔ پنجاب۔ وصال یکم شعبان ۱۳۸۲ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء) کراچی۔ مدفون لاکل پور، پنجاب) تلمیذ رشید صدرِ اشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی و خلیفہ ججہ الاسلام مولانا حامد رضا بیوی، بانی و شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر اسلام، لاکل پور، پنجاب، حضرت مفتی اعظم کے نہایت محبوب و مقرب تھے۔ آپ کے وصال پر مفتی اعظم نے بڑی پرسوز و رقت آمیز تعزیتی نظم کہی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

کیا کہوں میں ہائے کیا جاتا رہا آہ دل کا حوصلہ جاتا رہا
 سچوں کا دل نہ بیٹھے کس طرح؟ زور اُن کے قلب کا جاتا رہا
 اس زمانے کا محدث، بے مثال جس کا ثانی ہی نہ تھا، جاتا رہا

حضرت نے چائے کی پیالی ڈبیک پر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھ، دعا کے لئے اٹھائے اور دینک نم دیدگی کے ساتھ مغفرت اور رفع درجہ کی دعا کرتے رہے۔

دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حافظ مملّت کی کدو کاوش اور محاسن و لہجہیت درینک

بیان فرماتے رہے۔

اسی نشست میں فقیر راقم الحروف (محمد عبدالواجد قادری) نے عرض کیا:

حضور! حافظ مملّت غلّیہ الرَّحْمَةُ وَالْوَضُوءَانِ کے اخلاص و کسر نفسی کو یوں تو میں نے بار بار بہت قریب سے دیکھا ہے۔ مگر جبک پور، نیپال کے جلسہ عام میں جس کسر نفسی کا برملا اظہار ہوا وہ میری آنکھوں سے اوّل نہیں ہوتا ہے۔

حضور مفتی اعظم نے میری طرف دیکھا تو میں عرض کرنے لگا:

جبک پور۔ نیپال کے مشہور شہروں میں سے ایک سرحدی شہر ہے۔ جہاں اہل سنت کا ایک ادارہ مولانا جلیل محمد صدیقی برکاتی (فاضل اشرفیہ مبارک پور) کے زیر انتظام چل رہا ہے۔ وہاں کئی بار جلسے ہوئے۔ ایک جلسہ میں حضور سید العلماء (سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مہروی) حضور حافظ مملّت (مولانا الشاہ عبدالعزیز مراد آبادی مجتہد مبارک پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور ضلع عظم گڑھ۔ یو پی) اور مولانا سید ظفر حسین کچھوچھوی وغیرہم تشریف فرما تھے۔ انج سکر یڑی اور اناؤنسر کی حیثیت سے میں اپنے بزرگوں کا تعارف کر رہا تھا۔ حضور حافظ مملّت انج پربیلے جلوہ بار ہو چکے تھے اس لئے ان کی تقریر کا میں نے اعلان کر دیا۔ کم و بیش ڈیڑھ دولا کھ کا حق غنیمت تھا۔

حضور حافظ مملّت، خطبہ مسنونہ پڑھنے میں مصروف تھے کہ اسی اثنا میں حضور سید العلماء انج پربجلوہ بار ہو گئے۔ اور حضور حافظ مملّت سے فرمانے لگے:

حضور! آپ بڑے ہیں۔ پہلے میری تقریر ہو جانے دیجیے۔ پھر آپ تقریر فرمائیں گے۔ میں اخیر تک آپ کی تقریر سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں۔“

حضور سید العلماء کی باتیں سن کر حافظ مملّت نے خطبہ تقریر موقوف فرمادیا۔ اور سید العلماء کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

حضور! میں آپ کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہوں۔ لیکن آقا کا حکم سر آنکھوں پر۔ آئیے

منعقدی جس میں حضور مفتی اعظم اور حافظ مملّت بھی شریک ہوئے۔ حافظ مملّت کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محبوب رضا روشن القادری لکھتے ہیں:

”ادھر حضور حافظ مملّت، مجتہد اشرفیہ، علامہ عبدالعزیز کی تقریر صرف آپ کی عظمت و تقویٰ، کرامت، جلالت علمی سے متعلق ہو رہی تھی۔“ انج (ص ۹۶۱۔ مفتی اعظم،)

۱۹۶۵ء کے اسی سفر میں ایک روز پہلے مدرسہ انوار العلوم کماں ضلع سیتامڑھی کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مفتی عبدالواجد قادری در بھنگوی (مقیم بالینڈ) لکھتے ہیں:

”فقیر کا کوپ الحروف (محمد عبدالواجد قادری) کے اصرار پر تھوڑی دیر کے لئے مدرسہ انوار العلوم کماں میں رونق افروز ہوئے۔ علاقہ والوں کو پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ لہذا قراب جوار کے لوگ، زیارت کے لئے مدرسہ میں جمع ہو چکے تھے۔

حضور حافظ مملّت نے وضو فرمایا اور بغیر کسی پروگرام کے تقریر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پوری تقریر، حضور مفتی اعظم کے تعارف میں ہوئی۔ چون کہ اس علاقہ کے لوگ ان دنوں حضرات کی علمی و روحانی عظمتوں سے کسی حد تک ناواقف تھے لہذا حضور حافظ مملّت کی تقریر نہایت مؤثر رہی کہ کئی درجن لوگوں کو سلسلہ رضویہ نوریہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ انج (ص ۹۰۰۔ جہاں مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ ممبئی)

حضور حافظ مملّت کے وصال (۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) کی خبر جب بریلی شریف میں حضور مفتی اعظم ہند کو ایک ٹیلی گرام کے ذریعہ ملی تو اس وقت کی کیفیت و حالت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مفتی عبدالواجد قادری در بھنگوی تحریر فرماتے ہیں:

”مما نظر سے قبل، حضور مفتی اعظم کی خدمت عالیہ میں سدرہ کے اندر کئی حضرات موجود تھے۔ اسی درمیان پوسٹ مین ایک ٹیلی گرام لے کر حاضر ہوا۔ جسے حضرت نے خود وصول فرمایا تھا۔ اور اتفاقاً کوسا جملیاں (مولانا ساجلی میاں خاں بریلوی، داماد حضور مفتی اعظم ہند) کی طرف بڑھا دیا۔

حضرت ساجلیاں نے اسے پڑھ کر عرض کیا:

حضور حافظ مملّت کا انتقال ہو گیا۔ اسی کی خبر اس ٹیلی گرام میں ہے۔“

اس خبر کو سنتے ہی اشرفیہ کے آثار، حضرت کے سرخ و سپید چہرے سے بویا ہوا۔ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ جتنے حاضرین تھے، سبھی آب دیدہ ہو گئے۔

اور اپنی تقریباً توبہ سے مجھ جیسے گنہگاروں کو نوازیے۔“
 مولانا حافظ جیش محمد صدیقی اور مولانا محبوب رضا روشن القادری نے حضور سید العلماء کو سہارا دیا اور منہج تقریر پر بیٹھا دیا۔

حضور حافظِ ملت، آپ کی کرسی کے پایہ سے لگ کر اس طرح موعظ بیٹھ گئے جیسے کوئی ہونہار شاگرد، استاد کے سامنے وزن و نوا بیٹھتا ہے۔ اور ہر لمحہ، جی حضور راہی حضور افرامی نے لگے۔
 حضور سید العلماء علیہ السلام نے خطبہ مسنونہ کے بعد تمہید تقریر کے طور پر حافظِ ملت کی، اجیر (دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، درگاہ علی اجیر شریف میں ان دنوں حضرات نے صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رضوی سے تعلیم حاصل کی تھی) کی زندگی پر روشنی ڈالی اور دورانِ گفتگو فرمایا:

”یہی وہ حافظِ ملت ہیں جنہوں نے (اجیر شریف کی) لطائف علمی کے دور میں نہ صرف مجھے کتب متداولہ کی تکرار (مذاکرہ علمیہ) کرائی بلکہ میری گوش ملی فرما کر مجھے علم فون کے سانچے میں ڈھلا دیا۔“
 سید العلماء علیہ السلام کی اس گفتگو کا اثر، انچ بیٹھے ہوئے علما پر ایسا ہوا کہ بعض حضرات چیخیں مار کر رونے لگے۔

خود حافظِ ملت کا رومال آنسوؤں سے غریب ہو گیا۔ اور آپ، دونوں گھٹنوں پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے حضور سید العلماء سے بار بار معذرت طلب ہو رہے تھے۔
 اس منظر کو تاریخ کے قریب، ہزاروں سامعین نے دیکھا اور ان دنوں حضرات کے آپس میں خلوص و محبت پر قربان ہونے لگے۔

خدا کرے، ہمارے اسلافِ کرام کے آپس میں بارانِ محبت و اخلاق کا کوئی چھینٹا ہم جیسے ”اپنے منہ میاں مٹھو“ بننے والوں پر بھی پڑ جائے۔ آمین یا رب العالمین۔ بجاء طلہ وینس صلی اللہ تعالیٰ و تعالیٰ علیہ و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔ (ص ۹۵۳ تا ۹۵۴)
 جہاں جی اعظم، رضا اکیڈمی، بمبئی۔ تقلم مولانا مفتی محمد عبدالواحد قادری در بھنگوی (دہشتی) اعظم اور حافظِ ملت، کے عنوان سے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی مرحوم و مغفور (سابق مدیر ہاشمہ دینی دنیا، بلی شریف) نے ایک مضمون لکھا ہے۔ جس میں منقول، چند اقتباسات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

”راثم الحروف (محمد اسلم عزیزی مصباحی گورکھ پوری) نے مولانا منور حسین گورکھ پوری کے ساتھ حاضر بارگاہِ حافظِ ملت ہو کر داخل سلسلہ ہونے کی درخواست کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”سرکار مفتی اعظم، ولایت کے تاجدار ہیں۔ ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ میں ایک سیہ کار انسان ہوں۔“

اتنا فرما کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ پھر جب دیکھا کہ ہم لوگ ٹلنے والے نہیں ہیں تو داخل سلسلہ فرمایا۔ اور بیعت و ارشاد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

نماز کی پابندی اور جھوٹ نہ بولنے کو اپنے لئے لازم کرلو۔“ (ص ۱۱۰۔ معارفِ حافظِ ملت - مولفہ مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی گورکھ پوری)
 - مولفہ مولانا محمد اسلم عزیزی مصباحی گورکھ پوری

رازِ الہ آبادی جب مفتی اعظم سے مرید ہوئے تو حافظِ ملت نے انہیں مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا:

”آپ بہت بڑے شہر کے دامن سے وابستہ ہوئے۔“
 مخلص مکرّم مولانا محمد عبدالکبیر نعمانی قادری مصباحی نے جی اعظم اور حافظِ ملت کی ایک ملاقات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”دہلی بارہ سہرکار مفتی اعظم ہند کی زیارت کا شرف ۱۳۸۸ھ یا ۱۳۸۹ھ میں ناچیز کو اس وقت حاصل ہوا جب آپ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اشرف لاہور گئے۔ وہ ہم لوگوں کی طالب علمی کا دور تھا۔ سرکار جی اعظم، حافظِ ملت کی درس گاہ (واقعہ گولہ بازار۔ مبارک پور) میں قیام فرماتے۔ اتنے میں حضور حافظِ ملت، حضور مفتی اعظم ہند سے ملنے آئے۔

سرکار جی اعظم دور ہی سے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور حضور حافظِ ملت کا یہ حال تھا کہ نہایت نیاز مند انداز میں تیزی سے آئے اور جھٹک کر قدم بوس ہو گئے۔

باوجود کہ سرکار مفتی اعظم منع کرتے رہے۔ مگر حافظِ ملت قدم بوی میں کامیاب ہو گئے۔ وہ عجیب روحانی اور پدہ کیف منظر تھا۔ ایک طرف حافظِ ملت کا ادب، دوسری طرف مفتی اعظم کا اعزاز۔ اور ہر ایک اپنے اپنے مقصد میں حصول میں بھرپور کوشاں۔

اس واقعہ سے ہم لوگوں کے دلوں میں سرکار مفتی اعظم کی جو عظمت بیٹھی وہ شاید لمبے چوڑے تعریفی جملوں سے بھی نہ بیٹھتی۔

کرتا ہوں کہ:

مولیٰ تعالیٰ انھیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے:

اور حضرات اہل سُنّت کو توفیق بخشے کہ وہ

اشرفیہ یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ “فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفوقہ لکھ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ۔

(ص ۳۵۔ حافظِ مِلّت! اؤکار اور کارنامے)

اپنے مضمون کے آخر میں ڈاکٹر عبد الغنی عزمیزی (سابق مدیر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف) لکھتے ہیں کہ:

”ایک شب (۱۴ جولائی ۱۹۷۶ء) اپنے دولت کدے پر (حضور مفتی اعظم ہند) آرام فرما رہے تھے۔ معتدین سے حضرت کی ملاقات کے لئے پردہ کراہ گیا تھا۔ مولوی محمد سفیان اعظمی، حضرت کے سر میں ماش کر رہے تھے۔

حضرت کے دائیں جانب، استقامت ڈائجسٹ (کان پور) کھا ہوا تھا۔ اچانک آپ نے رسالہ کی ورق گردانی شروع کر دی اور اتفاق سے وہی صفحہ کھل گیا جس پر حافظِ مِلّت کے وصال کی خبر چھپی تھی۔ آپ نے بغور پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد جو کیفیت ہوئی اسے ملا حظہ فرمائیں۔

راثم (عبد الغنی عزمیزی) نے اپنی تالیف ”مفتی اعظم، مطبوعہ، بریلی شریف میں اس طرح تحریر کیا ہے:

”چاند سا چمکتا ہوا نورانی چہرہ اند پر گیا۔ اور تیرہ انصیوں کی تقدیر سنوارنے والے کی چشمِ کرم سے آنسوؤں کی دھار پھوٹ نکلی۔ سر کا رشتی اعظم پلک پلک کر رہے تھے۔ اور خدمتِ اقدس میں حاضر خدّام کے دل اس منظر سے پاش پاش ہوئے جارہے تھے۔

حضرت کی شفقت اور ان کی عظمت و برتری کے ساتھ ساتھ حضور حافظِ مِلّت کی بزرگی و عقیدت ان کے دلوں میں اور یاد رہے ہوگی۔

کافی دیر آنسوؤں کے موتی لٹانے کے بعد حضرت مفتی اعظم، صلیبِ خطر اب سے عالم سکون میں آئے تو یہ تک حافظِ مِلّت علیہ الرحمۃ کی بیماری پائی باتیں کرتے رہے۔ ان کی جلالتِ علمی

دوسری طرف شہزادہ اعلیٰ حضرت، سرکارِ مفتی اعظم نے حضور حافظِ مِلّت کا جو اعزاز فرمایا اُس سے آپ کی عظمت جو ہمارے دلوں میں تھی وہ دوبالا ہو گئی۔ اور آپ کی جلالت و فضل کا جو سنگہ ہمارے دلوں پر بیٹھا تھا اُس کا نقش اور گرہ ہو گیا۔“ الخ

(ص ۱۳۳۔ تقدیم از مولانا عبدالمبین نعمانی۔ بر کتاب موقوفاتِ حافظِ مِلّت۔ مؤلفہ مولانا اختر حسین فیضی مصباحی)

سنی دارالاشاعت مبارک پور جسے فتاویٰ رضویہ جلد سوم تا جلد ششم کے مسودّوں کی تہنیز سے طباعت و اشاعت تک کا شرف حاصل ہوا اُس کے قیام کاپس منظر یہ ہے کہ

حضور مفتی اعظم ہند ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے۔ اس سے آگے کا واقعہ استاذی الکریم حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب ذاقصت بسر کاتھم القدسیہ، دارالعلوم اشرفیہ تشریف لائے۔ ان سے عرض کی گئی:

”فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کیا ہوا؟“

آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہو سکتی ہے؟

اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی۔

دارالعلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام ہوا اور ”سنی دارالاشاعت“ کی بنیاد رکھی گئی۔“

(ص ۲۰۲۔ بیاض۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم۔ مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۱ء میں جس وقت اشرفیہ مبارک پور کا عظیم منصوبہ، حافظِ مِلّت نے قوم کے سامنے پیش کیا اور قصبہ مبارک پور سے باہر وسیع و عریض زمین میں اس کی تعمیر اور مختلف شعبوں پر مشتمل تعلیمی منصوبہ، منظر عام پر آیا تو حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی تائید و حمایت اور سرپرستی سے تحریک اشرفیہ میں جان ڈال دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ کا یہ تحریری بیان و پیغام، اشرفیہ کی کامیابی کا عنوان بن کر تاریخ اشرفیہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

..... دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کو ایک عظیم یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی نیک کوشش کا ہمیں خیر مقدم کرتا ہوں اور حافظِ مِلّت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کے حق میں دعا

زہد و تقویٰ اور تقدس و بزرگی کے گن گاتے رہے۔ اور آخر میں فرمایا:

”اس دنیا سے جو لوگ چلے جاتے ہیں ان کی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ خصوصاً مولوی حافظ عبدالحزیز علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر عالم دین، مرمون، مجاہد، عظیم المرتبت شخصیت اور ولی کی جگہ پر ہونا بہت مشکل ہے۔ یہ خلا نہیں ہو سکتا۔“

(ص ۳۸) مفتی اعظم مولفہ عبدالحزیز عزیزی۔ مطبوعہ بریلی

”مفتی اعظم، حقیقی معنی میں مفتی اعظم تھے۔ فقہ احناف کے باب میں اپنے عہد و عصر میں اپنی نظر آپ تھے۔ تجربہ علمی کے ساتھ احوال و غیرت زمانہ پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ اور حقائق کی نیک تک پہنچ کر صحیح شرعی موقف اختیار کرنا، آپ کا شیوہ و واسطہ اور آپ کی عادت و ولایت مستتر رہی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد اعظم صاحب رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف ایک تاریخی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار جس زمانے (۱۹۶۹ء) میں چاند پرامر کی آدمیوں کے پہنچنے کی خبر، امریکہ والے خوب زور و شور سے دنیا میں پھیلا رہے تھے۔ حضرت مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دارالافتا کی باری بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔ استاذ محترم، شمس العلماء حضرت قاضی شمس الدین احمد صاحب جعفری جون پوری بمصطفیٰ قانون شریعت اور صدر العلماء حضرت مولانا سعید غلام جیلانی صاحب میرٹھی، حضور مفتی اعظم کے پاس بیٹھے تھے۔ علمی مذاکرہ ہو رہا تھا۔ فقیر اہل حرفہ محمد اعظم رضوی بھی اس مبارک مجلس میں حاضر تھا۔

انشائے مذاکرہ، چاند پر عام انسان کے پہنچ سکنے یا نہ پہنچ سکنے کی بات بھی آگئی۔ حضور مفتی اعظم سے پوچھا گیا۔ کیا چاند پر عام انسان کا پہنچنا ممکن ہے؟ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

ممکن ہے۔ کیوں کہ چاند اور سورج اور تارے آسمان کے نیچے ہیں۔ زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرے ہیں۔

مدادِ ک میں آیت کریمہ ”كُلُّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْجُوْنُ“ (سورہ انبیاء ۳۳) کی تفسیر میں ہے:

عن ابن عباس انّ المراد بالفلك السماء والجمہور علی انّ الفلك موحّ مكفوف تحت السماء تجوی فیہ الشمس والقمر والنجوم۔

(ص ۱۵) پارسولہ۔ دائر المعرفہ۔ بیروت

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ:

فلک سے مراد، آسمان ہی ہے۔

جب کہ جہور کے مسلک کے مطابق، سورج، چاند اور ستارے سب زمین و آسمان کے درمیان ایک موحّ مکفوف میں ٹھہر رہے ہیں۔ یعنی سورج اور چاند اور تمام تارے زمین و آسمان کے درمیان ٹھہرے ہیں۔“

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

جب چاند اور سورج آسمان کے نیچے ہیں تو ان تک پہنچنا ممکن ہے۔ ہاں! مشکل ہے۔“

اس کے بعد خاتماً مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی نے کہا کہ:

حضور! آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے؟ ”كُلُّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْجُوْنُ“۔ (سورہ انبیاء۔ ۳۳)

ترجمہ: ہر ایک، ایک فلک میں ٹھہر رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند اور سورج آسمان میں ہیں؟

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

فلک سے مراد، دائرہ حرکت ہے۔ اور یہ دائرہ حرکت، آسمان کے نیچے ہے۔

اور قرآن حکیم میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں، وہاں ظرفیت سے اسی قسم کی ظرفیت مراد ہے جو شامیانے وغیرہ میں مراد ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ چراغ، فانوس یا بلب، شامیانے میں جل رہا ہے۔ تو اس سے مراد نہیں ہوتی کہ شامیانے کے اوپر جل رہا ہے۔ بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کے نیچے جل رہا ہے۔

اسی طرح آسمان دنیا میں بھی جو قدرتی شامیانہ ہے اس کے نیچے، چاند اور سورج موجود ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب (جعفری رضوی جون پوری) نے کہا کہ:

حضور! الشمس تجوی لِمُسْتَقَرٍّ لَہَا۔ (سورہ یونس: ۳۶) میں تجوی سے

اس کا چنا معلوم ہوتا ہے۔ اور لِمُسْتَقَرٍّ لَہَا سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کے لئے قرار گاہ ہے۔ تو چلنا اور مستقر رہنا یعنی حرکت نہ کرنا، آفتاب کے لئے دونوں باتیں ایک وقت میں ثابت ہوتی ہیں۔ یہ اجتماع ضدّین کیسے ہو سکتا ہے کہ آفتاب حرکت بھی کر رہا ہو۔ اور اسی وقت اس کے

لے قرار اور ٹھہراؤ بھی ہو؟

اس پر حضرت مفتی اعظم کا جواب کچھ اس طرح تھا کہ:
قرآن حکیم میں نہیں ہے کہ سورج اپنے مستقر میں چل رہا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ
سورج اپنے ایک مستقر اور ٹھہراؤ کے لئے چل رہا ہے۔
علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ:
جنت سے زمین کی طرف جاؤ۔

قرآن حکیم میں ہے: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے مستقر فرمایا۔ تو کیا
زمین میں جو انسانوں کی قراگاہ ہے، انسان، چلتے پھرتے نہیں ہیں؟ بے حرکت کھڑے یا ہلچلے
یا لیٹے رہتے ہیں؟

جیسے زمین، انسانوں کا مستقر اور ممکن ہے اور وہ اس میں چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح
چاند اور سورج کے لئے کوئی مستقر ہو اور ان کی حدود میں ان کی حرکت ہو تو قراگاہ ہونا اور حرکت
ہونا، دونوں امر ثابت ہوں گے۔

الغرض آفتاب کے لئے مستقر ہونا اس کی حرکت کی نفی نہیں کرتا۔“

(ص ۱۰۵۲ اور ۱۰۵۳۔ جہان نبی اعظم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ ممبئی)

”مفتی اعظم مفتی اعظم کیوں؟“ کے عنوان سے تحریر کردہ اپنے ایک مضمون میں مفتی محمد مطیع الرحمن

مضطر ضوی پوروی، مفتی اعظم کے تعلقہ کی مثال اس طرح پیش کرتے ہیں:

”دیکھیں! روز سے روز ٹوٹنے دو ٹوٹنے کا مسئلہ جب پہلی بار مفتیان کرام کے سامنے آیا تو بیشتر

حضرات متزلزل درجہ تھے۔

کچھ حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ:

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ، فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ انجکشن کی سیرال

دوائیں معدہ میں پہنچتی ہیں۔ اور خارج سے کسی چیز کا معدہ میں پہنچنا فساد روزہ ہے۔

اور کچھ حضرات نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ: گوشت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد نہیں

ہوگا! ہاں! اگرک میں لگویا جائے تو فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ دوائیں، گوشت سے معدہ میں نہیں

پہنچتی ہیں اور اگرک سے پہنچ جاتی ہیں۔

لیکن حضرت مفتی اعظم نے ارشاد فرمایا:

انجکشن، گوشت میں لگویا جائے خواہ اگرک میں۔ کسی بھی صورت میں اس کی دوائیں معدہ تک

معدہ کے ذریعہ نہیں پہنچتی ہیں۔ بلکہ مسامات کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے میں اس کی ٹھری، مسامات کے ذریعہ، بسا اوقات معدہ

تک پہنچ جاتی ہے اور روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمد لگانے سے اس کا ذائقہ، حلق میں محسوس اور رگت تھوک میں

دکھائی دے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔“

حضور مفتی اعظم ہند نے اس فتویٰ میں جہاں فقہ کے اس ضابطہ کلمیہ ”خارج سے کوئی چیز،

غیر معدہ کے ذریعہ، معدہ تک پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔“ سے استدلال فرمایا ہے۔

اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، آنکھوں میں دوا ڈالنے، سرمد لگانے جیسے امثال و نظائر سے کام

لیا ہے، وہ ہیں اس بات کی طرف بھی واضح اشارہ فرمایا ہے کہ:

شریعت مطہرہ کا کوئی حکم، کسی طبی تحقیق پر مبنی ہو تو اس سے ضربِ نظر کر کے فتویٰ صادر کر دینا

غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔“

فسادِ روزہ کا حکم دینے والے مفتیان کرام نے اگر یہ تحقیق کر لی ہوتی کہ گوشت یا اگرک سے

معدہ تک معدہ نہیں ہے۔ تو فتویٰ دینے میں ان سے یہ غلطی نہیں ہوتی۔

بہر حال! اس فتویٰ سے آپ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کا کافی سراغ ملتا ہے۔

جب چاند کی دھرتی پر پہلا قدم رکھے کے لئے روس و امریکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے

کے لئے جدوجہد کر رہے تھے تو چاند کو ”خدائی درجہ“ دینے اور اس کی عبادت و بندگی کرنے والوں

کے ساتھ ساتھ بعض مفتیان کرام بھی اسے روس و امریکہ کا جنوں اور بکواس کہہ رہے تھے۔

ان (مفتیان کرام) کا استدلال یہ تھا کہ:

”چاند“ آسمان کے اندر ہے۔ اور آسمان تک کسی غیر مسلم کا پہنچنا محال شرعی ہے۔ اس لئے

روں و امریکہ کے چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو جانے کا خیال، اسلامی اصول کے خلاف ہے۔“

بیشتر علما کے کرام، گو کوئی کیفیت سے دوچار، خاموش تھے۔ لیکن مفتی اعظم نے فرمایا:

”جب چاند کی طرف نگاہ اٹھائی جاتی ہے تو وہ آسمان کے نیچے دکھائی دیتا ہے۔ صحابی رسول رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کے مطابق بھی سورج، چاند اور ستارے، سبھی آسمان میں مکرر ہیں۔

عن ابن عباسٍ أنَّ المرادَ بِالْفَلَكَ السَّمَاءُ - والجمهُورُ على أنَّ الفلكَ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ تَحْتَ السَّمَاءِ تَجْرِي فِيهِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ -

یعنی حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا موقف، یہ ہے کہ:

(ص ۱۵۷)۔ پارہ سولہ۔ دارُ المعرفۃ۔ بیروت)

اور ستارے، سب زمین و آسمان کے درمیان ایک موج مکشوف تیر رہے ہیں۔
فلک سے مراد، آسمان ہی ہے۔ جب کہ جہور کے مسک کے مطابق سورج، چاند

الغرض! مسلکِ جمہور کی روشنی میں مشاہدہ اور روایات و دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ:

کہاں لازم آتا ہے کہ چاند پر پہنچا محال شرعی ہو جائے؟

ہمارے نزدیک، انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ اور اگر کسی مشینی ذریعہ سے انسان چاند تک پہنچ جائے تو اس سے اسلام کا کوئی اصول مجروح نہیں ہوگا۔“

وہیں تفسیر پریمی گہری نظر اور اسلامی اصولوں سے پوری واقفیت کا بھی اندازہ لگتا ہے جو اجتہاد حضور مفتی اعظم کے اس فتویٰ سے جہاں آپ کی مجتہدانہ صلاحیت کا نشان ملتا ہے

حضورِ معتمدِ ہند کے اس فتویٰ سے نئے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں عالمِ اسلام کے کو لازم ہیں۔

طرح عمل سے۔“ (ص ۵۹)۔ جہاں مفتی اعظمؒ مبطوعہ رضا اکیڈمی۔ (بمبئی) کے بڑے مفتیان کرام پر بھی آپ کی علمی تفوق اور وقت اجتہاد میں برتری، روز بروز کی

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی اپنی ایک نہایت اہم فقہی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:

”دہس ائمہ حنفیہ و جمہور ائمہ کرام میں نرن مفتو و برائظا فرض سے یہاں تک کہ اتنا

زمانہ گزر جائے کہ عادت موت منقود (لاپتہ شوہر کی موت) مظنون ہو اور اس کی تقدیر سی بہ موثر

صحیح یہ ہے کہ کروڑوں امیت مفقود سے ستر (۷۰) سال گزر جائیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ بھی دربارِ امالِ مفقود بھی حکم دیتے ہیں مگر دربارِ اوزنِ خلاف کرتے ہیں۔“

(ص ۳۹۱ فتاویٰ رضویہ ج: ۶ - سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

رہے مگر آپ کے وصال کے ایک عرصہ بعد اُدھر ترمیمِ پُختہ کے قیام کے وقت جب رئیسِ اقلیم اعلیٰ حضرت علیہ السلام زوچہ مفتوحہ و الحمر کے بارے میں یہی فرمان جاری کرتے

کیا تو ان حضرات نے بحرث و نظر کے بعد بوجہ ضرورتِ شرعیہ، زوجہ 'مفقوہ' والحمہ کے بارے میں حضرت علامہ ارشد القادری رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فقہائے اہلِ سُنّت کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر عمل کی اجازت ان الفاظ میں دی:

”ضرورت و مصلحت کے وقت مذہبِ امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضی حنفی بھی تفریق کر سکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اَلْمُحْتَار میں ”مسئلہ منہ وَا لْطَر“ کے بارے میں فرمایا ہے“

(دارُ القضاۃ کے فرائض و مسائل، ص ۴۲)

ہاں! علیؑ حضرت عَلِیِّہِ الرَّحْمَۃُ وَالرَّضْوَانُ نے اپنے ایک فتویٰ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کر کے لکھا ہے کہ:

”خفی وقت تحقق ضرورت صحیح اس عمل کر سکتا ہے۔“

(فناوی رضویہ ج: ۳۶ ص: ۳۲۰ سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

مگر آپ کے فتاویٰ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آپ نے اپنے دوسری ضرورت صحیحہ کا تعلق مانا۔ اس کے برخلاف آپ کے شہزادے، جہر الامت، مفتی اعظم، حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا

بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں ضرورت شرعیہ کا تحقق تسلیم کیا اور فقہائے اہل سنت کے صدر اعلیٰ کی حیثیت سے مذہب امام مالک برقیاضی کو فیصلہ کی اجازت دی اور اس وقت سے

علماء اسی کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کرتے ہیں۔

اب معدومۃ النفقہ کا نکاح منہج کرنے کی احازت۔

مذہبِ حنفی میں نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اس کا نکاح، شوہر سے رخ کرنے کی اجازت نہیں، لہذا عورت کو شوہر کی طرف سے ثاں و نفقہ نہ ملنے سے (معدومۃ النفقہ) کہتے ہیں۔

بغیر شوہر کی موت یا طلاق کے میاں بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔

فقہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والتوفیق کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے ایک فتویٰ میں رقم طراز ہیں:

”بے افتراق بھوت یا طلاق دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک غیبت (شوہر کے غائب ہونے) خواہ عُمرت (شوہر کے مفلس و تنگ دست ہونے) کے سبب اداۓ نفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیل نفقہ سے عورت کی محرومی باعث تفریق نہیں۔“

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۵، ص: ۱۵۵، کتاب الطلاق۔ سنی دائر الاشماعت، مبارک پور)

مگر اس کے برخلاف ہمارے بعد کے اکابر علماء اہل سنت رَحْمَتُ اللہِ تَعَالٰی نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفقہ سے عجز کی دونوں صورتوں میں نسخ نکاح و تفریق کی اجازت ہے، کلمات یہ ہیں:

معدومۃ النفقہ: ایسی عورت جس کو شوہر کی جانب سے نان و نفقہ نہ ملتے ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: شوہر موجود ہے مگر افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی کوئی کو نان و نفقہ دینے سے عاجز ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت، قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی بعد ثبوت عجز، زن و شوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

دوسری صورت: شوہر نان و نفقہ دینے پر قادر ہے مگر غائب ہونے کی وجہ سے نان و نفقہ نہیں دے رہا ہے اور عورت شوہر کے مال سے نان و نفقہ وغیرہ حاصل کرنے پر قدرت نہیں رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت، قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو بعد ثبوت صحت دعویٰ، قاضی زن و شوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

یہ دونوں صورتیں حضرت امام شافعی رَحْمَتُ اللہِ علیہ کے مسلک پر ہیں۔ مگر ضرورت و مصلحت کے پیش نظر ہمارے کچھ علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ جیسا کہ (مجمع الانہر) میں ہے۔“

کتابۃ عبدہ المذنب محمد عبد الرحمن غفور لہ ربہ۔ صدر مدرس مدرسہ فیض العلوم

جشید پور، ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔

(۱) صَحَّ الْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ - وَالْمُجِيبُ الْعَلَامُ مُصِيبُ وَ مُنْصَابُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَفِیْ عَنْہُ، دَارُ الْعِلْمِ اشرفیہ مبارک پور (وارو حال) جامعہ عربیہ

انوار القراءان، بلرام پور، گوڈوہ۔

(۲) الْجَوَابُ صَحِیحٌ - وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ - محمد شریف الحق مجددی۔

(۳) فقیر اس فتویٰ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ اس کے محرک و مرثب کے لیے اہر عظیم کی دعا کرتا ہے۔ فقیر عبدالباقی برہان الحق جبل پوری۔ ۲۷ رمضان، یوم البیتہ القدر ۱۳۸۹ھ

دائر القضاۃ کے فرائض و مسائل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِلٰی سَادَةِ عُلَمَآءِ الْاِسْلَامِ۔

سال گذشتہ دائر القضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر علماء اہل سنت سے ایک استفتا

کیا گیا جس کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) آج کے ہندوستان میں اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لیے جن میں ”مسلمان حاکم“

ہونے کی شرط ہے، جمہور مسلمین کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالم یا شرع کو اپنا قاضی

مقرر کر لیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حدود و خاص میں جائز و نافذ ہو گا۔

(نشامی، جامع الفصولین، فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

(۲) مفتقد و الخیر، معدومۃ النفقہ، عین، مجنون، معتقلہ وغیرہ مسائل میں از روے

شرع مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی، عورت کی درخواست پر زن و شوہر کے درمیان تفریق بھی

کر سکتا ہے اور عند الضرورة الشد بدة غائب پر حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔

(فتح القدیر، نشامی، جامع الرموز، مجمع الانہر)

(۳) مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی، بشرائط مخصوصہ و محدودہ، فریقین کے بیانات سننے کے

بعد اپنی صواب و پیر متد مات کا فیصلہ کر سکتا ہے اور شرعاً اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ (نشامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن علماء اہل سنت نے توثیق فرمائی تھی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) تاج دار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند ڈاکٹر بَرکَاتُہُمُ الْقَدْسِیَہ۔

(۲) سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب قبلہ ڈَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۳) استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قبلہ ڈَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

(۴) امین شریعت حضرت مولانا فاروق حسین صاحب قبلہ ڈَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی۔

- (۵) حجابِ ملت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّهُ الْعَالِی۔
- (۶) حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری دَامَ ظِلُّهُ الْعَالِی۔
- (۷) حضرت علامہ الحاج عبدالرشید خان صاحب قبلہ مفتی ناگ پور دَامَ ظِلُّهُ الْعَالِی۔
- (۸) حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مفتی اثر فیدہ دَامَ ظِلُّهُ الْعَالِی۔
- وحضرات علمائے فیض الرسول براؤں شریف (دارالقضاۃ کے فرائض و مسائل، ج: ۱)
- ان تاریخی فیصلوں کو امام اعظم ابوحنیفہ نیز دوسرے فقہائے حنفیہ اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہم سے اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔
- توپھر آج ان بزرگوں کے نقش قدم کی پیروی کو بھی اختلاف نہیں ”اتباع“ سمجھنا چاہیے۔“
- (ص ۵۸ تا ص ۶۲۔ حنفی حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت! فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں۔“
- تحقیق و ترتیب:- مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی۔
- طالع وناشر: مجلس شرعی، الجملۃ: الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔ ۱۲۳۳ھ/۲۰۱۳ء)
- فرعی فقہی اختلاف میں حضور نبی اعظم کی روش، اعتدال کی تھی۔ دوسرے کسی سنی فقیہ و مفتی کی تحقیق اگر آپ کی تحقیق کے خلاف ہوتی تو آپ اس سے متعلق کوئی ایسی بات زبان و قلم سے نہ نکالتے جس سے اس کی شخصیت، مجروح ہو۔ ان مسائل و احکام میں ذاتیات آپ نے کبھی نشانہ نہیں بنایا۔ نہ ہی اسے کسی کے لئے روار کھا۔
- چنانچہ نماز میں لاؤ اپتیکر کے استعمال اور اقتدار کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے نماز میں لاؤ اپتیکر کی اقتدار کو ناجائز قرار دیا۔ اور حضرت مفتی سید محمد افضل حسین موگیری، صدر المدرسین دارالعلوم معظّر اسلام، بریلی شریف نے نماز میں اس کی اقتدار کو ناجائز قرار دیا۔
- اس پر علمائے اہل سنت کے درمیان بڑی بحثیں ہوئیں، زبانی بھی اور تحریری بھی۔ لیکن کوئی ایسی زبانی یا تحریری روایت ہمیرے علم میں نہیں کہ سیدی مہدی مہدی حضور نبی اعظم ہند نے حضرت مفتی افضل حسین موگیری کو ان کی اس تحقیق اور فتویٰ کی بنیاد پر ان کی ذات کو نشانہ بنایا ہو۔
- اسی طرح سراجِ دیارت کے لئے حکومت ہند کی طرف سے جب نوٹوں کا استعمال لازمی کر دیا گیا تو حضور مفتی اعظم ہند نے فتویٰ دیا کہ حج فرض کرنے کے لئے بھی تصویر کشی ناجائز ہے۔
- جب کہ اہل علم حضرت مفتی شاہ محمد اہمل نعمی نے حج فرض کے لئے تصویر کشی کے

- جواز کا فتویٰ دیا۔ اور ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا: ”نوٹوں کا جواز، درحق عازانِ جاز“
- اس سلسلے میں یہ ایک تازہ تحریر میری نظر سے گزری:
- ”یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضور مفتی اہمل العلماء کا فتویٰ، معظّر عام پر آنے کے بعد بعض تحریری ذہنیت کے لوگوں نے حضور نبی اعظم کی بارگاہ میں جا کر عرض کیا:
- دیکھیے حضور! حضرت مفتی محمد اہمل شاہ صاحب سنبھلی نے آپ کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ صادر کیا ہے۔ جب کہ آپ ان کے مُرشدزادے بھی ہیں۔ الجملۃ ان کا جواب دیا جائے۔
- مرجعِ خلاق، مفتی اعظم ہند نے ارشاد فرمایا:
- حضرت مفتی محمد اہمل شاہ صاحب سنبھلی فقیر ہیں۔ انھوں نے جواز کا فتویٰ دیا۔ وہ ان کی تحقیق ہے۔
- میں عدم جواز کا قائل ہوں۔ یہ میری تحقیق ہے۔“
- (ص ۱۹۶۔ مفتی اعظم سنبھلی۔ مطبوعہ اکتوبر ۲۰۱۱ء)
- مفتی اعظم اسے فتویٰ پر قائم رہے لیکن کوئی زبانی یا تحریری روایت میرے علم میں نہیں کہ مفتی محمد اہمل شاہ سنبھلی کی تحقیق کی بنیاد پر انھیں آپ نے مطلقاً کیا ہوا اور ان کی ذات کو کبھی نشانہ بنایا ہو۔
- حضرت مفتی محمد رفیع الرحمن مضطر رضوی پونوی کے دستخط کے ساتھ ایک تازہ تحریر میرے پاس موجود ہے۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:
- ”سیدی مہدی مہدی حضور نبی اعظم ہند علیہ السلام رحمۃ اللہ علیہ نے لاؤ اپتیکر کی آواز پر نماز کے عدم جواز پر نماز کی اقتدار کے عدم جواز کا اسی طرح حج فرض کے لئے بھی نوٹوں کو بھگانے کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔
- جب کہ اہل سنت کے دو جلیل القدر علمائے اسلام سے حضرت مفتی سید محمد افضل حسین موگیری، صدر المدرسین دارالعلوم معظّر اسلام، بریلی شریف نے لاؤ اپتیکر کی آواز پر نماز کے جواز کا اور حضرت مفتی محمد اہمل شاہ نعمی نے حج فرض کے لئے نوٹوں کے جواز کا فتویٰ دیا۔
- اس فرعی فقہی اختلاف کے باوجود ان حضرات کے باہمی تعلقاتِ اخلاص و محبت، حسب سابق باقی و برقرار رہے۔ کوئی ادنیٰ روایت بھی ایسی نہیں کہ ان حضرات میں سے کسی نے کسی کی شخصیت یا ان کے علم و فضل پر کوئی انگشت نمائی کی ہو۔
- حضرت مفتی سید محمد افضل حسین موگیری، حضور نبی اعظم کے مُرید و خلیفہ تھے۔ وہ جب بھی

جو سرزمین، اسلام کے پیر و وں کے لئے محفوظ نہ رہے، وہاں کے مسلمانوں کے لئے وہی راستے باقی رہ جاتے ہیں: ”اولاً:۔ جہاد ثانیاً:۔ ہجرت ہائیک وطن۔

لہذا اب مسلمانان ہند، ہندوستان کو دائر الحریب خیال کرتے ہیں اور ان کے لئے اب ہجرت

ناگزیر ہے۔“

بعد از موات کے سلسلے میں ایک جلسہ ۱۸ جولائی ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا اور اسی نشست میں تحریک ہجرت کی تجویز بھی پیش کی گئی اور اس پر غور کیا گیا۔

اس کے بعد نومبر ۱۹۲۰ء میں ایک جلسہ الہ آباد میں منعقد ہوا جس میں مسئلہ ہجرت، دوبارہ پیش ہوا۔

مولانا محمد علی جوہر نے ہجرت کرنے کی تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ چنانچہ علما کے کرام

سے اس سلسلے میں فتویٰ حاصل کیا گیا اور علما نے موجود حالت کے پیش نظر، ہندوستان کو ”دائر الحریب“ قرار دے دیا۔

پروفیسر عزیز احمد کے بیان کے مطابق اس فتویٰ کے ”مفتی اعلیٰ“ مولانا آزاد تھے۔

مولانا عبد الباقی (فرنی محلی) نے بھی مہتمم الفاظ میں ہجرت کی حمایت کی۔

علی گڑھ گزٹ نے اپنے ادارے میں بیان کیا ہے کہ:

سنٹرل خلافت کمیٹی نے گاندھی جی کی ہدایت کے بموجب مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر زور دیا۔

سادہ لوح مسلمانوں نے اسے ایک دینی فریضہ اور مقدس کام سمجھ کر افغانستان کو ہجرت کی۔ اس ہجرت میں صوبہ سندھ اور شمالی مغربی ہند کے مسلمانوں نے خاص طور پر حصہ لیا۔

ان بے چارے مہاجرین نے اپنی جائیدادیں، قیمتی ٹکڑے، زیورات اور مال و اسباب کو

اُٹھانے کوئے داموں پر فروخت کیا اور اسلام اور خلافت سے عقیدت کی خاطر اپنا گھر بار اور سب

کچھ ختم کرنے کے بعد اگست ۱۹۲۰ء میں افغانستان کو روانہ ہو گئے۔“

(چند سطور کے بعد) حکومت افغانستان نے اس ختم غنیمت کو دیکھ کر اپنی سرحدیں بند کر دیں

اور مہاجرین کو سرحد سے ہی واپس کرنا شروع کر دیا۔ لہذا چند روزوں کے بعد مسئلہ ہجرت،

منسوخ ہو گیا۔

اس غیر دانش مندانہ اقدام نے مسلمانان ہند کو نہ صرف اقتصادی اور سماجی بد حالی سے

دوچار کیا بلکہ مہاجرین میں سے بہت سے افراد موت کا شکار ہو گئے۔“

حضور مفتی اعظم سے ملتے، ایک مہم و عقیدت مند ہی کی حیثیت سے ملتے۔ دست بوسی کرتے اور نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ پیش آتے رہے۔

اسی طرح حضرت مفتی محمد رحیل شاہ نعیمی، سنبھلی، جب بھی حضور مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوتے، دست بوسی کرتے اور اپنا بزرگ سمجھ کر اپنی سابقہ عقیدت و احترام کا مظاہرہ کرتے۔

حضور مفتی اعظم، نہایت ہی ان حضرات کو ہمیشہ اپنی شفقت و لطف و مروت سے نوازتے رہے۔“

فتیر محمد بیچ الرحمن رضوی۔ مؤرخہ ۱۵ ارڈی ۱۴۳۲ھ۔ مطابق ۲۱ ستمبر ۲۰۱۳ء۔

بعد از عشاء۔“

سماع مع مزامیر اور سجدہ، بتعلیمی ناجائز و حرام ہے۔ مگر اپنے بعض اسلاف کی پیروی کے نام

پر جو لوگ ان کے جواز کے قائل ہیں، ان پر حکم فسق، مانکر کرنے سے بھی مفتی اعظم ہند نے منع

فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک فتویٰ میں آپ لکھتے ہیں:

”قولی مع مزامیر، ہمارے یہاں ضرور ناجائز و حرام و گناہ ہے۔ اور سجدہ بتعلیمی بھی ایسا ہی۔

ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے۔ اگرچہ وہ اذوق التفات نہیں۔

مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچا دیا ہے جو ان مخالفین کے قول پر اعتقاد کرتے

اور جائز سمجھ کر مُرتکب ہوتے ہیں۔

اگرچہ شرعاً ان پر دہر الزام ہے۔ ایک ارتکاب حرام کا۔ دوسرے اسے جائز سمجھنے، خلاف

قول، جمہور چلنے کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص ۲۵۶۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ از مفتی اعظم ہند، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی۔

مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

میسویں صدی عیسوی کی دہائی میں متحدہ ہندوستان کے حالات جب بڑے بے گناہ و خیر ہونے

اور بعض مسائل کی شرعی حیثیت کچھ علما پر مشتبہ ہو گئی یا کچھ علما اور مسلم قائدین نے شرعی حدود

کو تجاوز کیا تو اس دور کے نازک اور سخت مسائل میں بھی مفتی اعظم ہند نے ان کی شرعی و فقہی

حیثیت کا اظہار نہایت بصیرت و جرأت ایمانی کے ساتھ کیا۔

اس دور کے حالات اور بعض مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ایچ، بی، خان لکھتے ہیں:

..... مولانا محمد علی جوہر نے وائسرائے ہند کو ایک خط لکھا جس میں تحریر تھا کہ:

علی گڑھ گزٹ۔ شمارہ ۱۶ مئی ۱۹۲۱ء۔

تحریکِ جہرت کے مُحرکین میں مولانا آزاد اور مولانا محمد علی (جوہر) پیش پیش تھے۔ مگر ان حضرات میں سے خود کسی نے بھی جہرت نہیں کی، جس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔

ہوسکتا ہے کہ بہت سے لوگ جو جہرت کا ارادہ رکھتے تھے، انھوں نے حکومتِ افغانستان کے رویے کے باعث اپنا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

یہ ظاہر ہے کہ جن رُخمنانے جہرت کی تائید کی۔ انھوں نے مسئلے کو خالص جذباتی انداز میں دیکھا اور سیاسی بصیرت کا ثبوت نہیں دیا۔“

(ص ۱۶۵ و ۱۶۶) برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار۔ از ڈاکٹر ایچ، بی، خان۔ قومی ادارہ تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، پاکستان۔ ۱۹۸۵ء)

اس دور کی ہنگامی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالمجد دریا بادی (متوفی ۱۹۷۷ء) لکھتے ہیں:

”۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء کا زمانہ اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک خاص ہیجان کا دور ہے۔ تحریکِ خلافت و ترکِ مولانا کا طوفان زوروں پر تھا۔ ملک کا سواِ اعظم شیخ الحدید (مولانا محمود حسن دیوبندی) مولانا عبدالباقی فنگی ملکی، علی برادران اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ۔ ساری فضا پر یہی حضرات چھائے ہوئے تھے۔

ندوہ اور علی گڑھ دونوں زرد پر۔ اور ندوہ غریب و خیر، اصلی اور معرکے کا محور چلی گڑھ تھا۔

شروانی صاحب مع اپنے گئے چنے افراد کے ساتھ دوسرے کیمپ میں۔ نہ پوچھیے کہ کیا کچھ سُنا اور کیا کچھ سہنا پڑا۔ جوش اور ہیجان کے وقت کس کو اپنی زبان و قلم پر قابو رہا ہے؟

آج گورنمنٹ کے جاسوس کہلائے کل ”حسیب الرحمن“ سے ”حسیب الشیطان“، مشہور ہوئے۔ ”ابمانہ معارف“، ”عظم گڑھ۔ یو پی۔ شمارہ نمبر ۱۹۵۰ء۔ بقلم عبدالمجد دریا بادی)

نواب وزیر یار جنگ، وزیر مالیات ریاستِ حیدرآباد وکن کے صاحب زادے، نواب مشتاق احمد حیدر آبادی اپنے مشاہدات و تجربات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”ان تین (۳) ہنگاموں کے بعد مسلمان، عام طور پر محسوس کرنے لگے کہ:

انھوں نے جذبات کی ترو میں بہ کر اپنا ہی نقصان کیا۔ علی گڑھ میں تعلیم کی بربادی ہوئی۔

نظم و ضبط متاثر ہوا۔ اور اس سارے دور میں بنارس ہندو یونیورسٹی پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

علی گڑھ کو قربانی کا کمر بنایا۔ اس (ص ۸۸) کا رواں حیات۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء۔ بقلم

نواب مشتاق احمد حیدر آبادی)

اسی زمانے میں ذہنی زبان سے جہاد کی باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ چنانچہ اسی طرح کے ایک استغاثہ (از خلیفہ شہاب الدین۔ موبچی دروازہ، لاہور۔ محرم ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء) کا جواب دیتے ہوئے مفتی اعظم مولانا الشافعی محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری بریلوی (وصال محرم ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) خلفِ اصغر امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) تحریر فرماتے ہیں:

(چند مقدمات کے بعد) قَاوُلٌ وَعَلَى اللّٰهِ اَحْوَلُ۔

ان مقدمات سے ظاہر ہوا کہ:

جو حکم انسانی قوت و طاقت بشری سے باہر ہو، وہ ہرگز حکمِ شریعت نہیں۔ جس حکم میں کوئی فائدہ نہ ہو، عجب و لکھو ہو، وہ ہماری پاکِ شرع کا حکم نہیں۔ جس حکم میں بے فائدہ اسلافِ جان و اہلک نفس ہو، وہ اس شرعِ عظیم کا حکم نہیں۔

یوں ہی جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں، غصا دہا پر ہوں، وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہو سکتا۔ اب خود کچھ لو کہ یہاں اس وقت حکمِ جہاد میں تکلیفِ مالاِیطلاق ہے یا نہیں؟

اس میں کوئی فائدہ ہے یا سراسر مُضَرّت؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت؟ فتنہ و فساد کی اثرات ہے یا امانت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟

ان امور پر غور کر لینے کے بعد یہ مسئلہ صاف ہو جائے گا۔ اصلاً فتنہ نہ رہے گا۔

کیا بھٹوں کو ان سے جو تمام اسلحوں سے لیس ہوں، ہارنے کا حکم دینا چاہی نہیں؟ اور تکلیف فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو تھیار چلا نا بڑی بات ہے، اُٹھانا نہیں جانتے، جن کے وٹھم میں بھی کبھی نہیں گذرا کہ بندوق کس طرح اُٹھاتے تلواریوں کرتھا متے، طنجہ کیسے چلاتے ہیں؟ جنھوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے ہارائی کے معرکے میں خواب میں بھی نہ دیکھے، انھیں تو پلوں کے سامنے کر دینا، کچھ زیادتی نہیں؟

کیا ایسوں سے میدان کرانا اور ان کی جانیں مُہفت گزانا، عجب نہیں؟
 کیا یہ فتوہ نویس انہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتی جانیں، مُہفت ضائع ہوں؟
 اس سے بڑھ کر اور فتوہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا؟
 ایک مسلمان، ایک کعبہ نہیں، ہزار ہوں، اُن سے زیادہ افضل و بہتر ہے۔
 دل بدست آ کر کہ حج اکبر دست
 از ہزار اداں کعبہ، یک دل بہتر دست
 غنیۃ المُستملیٰ میں ہے۔ علامہ ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:
 حُرْمَةُ الْمُسْلِمِ الْوَاحِدِ اَرْجَحُ مِنْ حُرْمَةِ الْكَعْبَةِ۔
 تو ایک جانِ مسلم کا احلاف، کعبہ ڈھانے سے بہتر ہے۔ بلکہ ساری دنیا کا زوال، اللہ تعالیٰ کے
 نزدیک، ایک مسلمان کے ناحق قتل سے کہیں ہلکا ہے۔
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَقَوْلِ الدُّنْيَا اَهْوَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ۔
 رواہ الترمذی والنسائی عن ابن عمر وابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
 ایسی حالت میں جہاد جہاد کی آٹھ لگانا، غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسنا اور ان سے یہ کٹعن اٹھانا ہے:

اس سادگی پہ کون نہ مرنے جائے اسے خدا
 لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اور جب کہ وہ ان خُناخ و قُبائح پر مشتمل ہے۔ حرام حرام حرام ہے۔ وہ ہرگز حکمِ شرع
 نہیں۔ شریعت پر انتر اور زیادت ہے۔

جو آج اسے حکمِ الہی و امرِ حضرت رسالت بنائی ٹھہرا ہے ہیں، مسلمانوں کے دشمن ہیں۔
 وہ اللہ و رسول پر انتر کرتے، بہتان باندھتے ہیں۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے:
 قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يَفْعَلُ خَوْفٌ۔

اور فرماتا ہے رب تبارک و تعالیٰ:

اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ۔
 اور ارشاد فرماتا ہے عَزَّ وَجَلَّ:

وَلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسَبِّحُكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مِنَ الْفُتُوٰى۔
 اور فرماتا ہے جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ:
 لَعَنَہُ اللّٰہُ عَلٰی الْكَافِرِیْنَ۔

یہاں کے نمبتے بے سر و دھڑ، جنگ سے ناواقف مسلمان، ان پر تو ان پر، خود سلطانِ اسلام
 جس کے پاس سامانِ حرب بھی ہو اور باقاعدہ فوج بھی، وہ اگر یہ سمجھے کہ لنگڑا، زائد ہیں۔ یہ فوج
 اور سامانِ ان کے لئے کافی نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں اسے اُن سے پہل نا جائز ہے۔

یہ مسئلہ مُصرَّح ہے۔ مثلاً رَدُّ الْمُحْتَار میں فرمایا:

هَذَا اِذَا غَلَبَ عَلٰی ظَنِّہٖ اَنَّهُ یُكَفِّرُھُمْ وَاِلَّا فَلَا یُبَاحُ فِتْنُھُمْ۔

..... (مولانا عبدالباری فرنگی مہلی) اپنے رسالہ ”ہجرت“ میں کہتے ہیں:

”میں کُشت و خون کو خصوصاً مجتمع حملہ کی صورت میں جیسا کہ لشکر کرتا ہے، غیر مفید سمجھتا
 ہوں۔ کیوں کہ اس کے اسباب مجتمع نہیں۔“

اسی رسالہ میں لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ اہلِ لاک نفس، بلا ضرورت جائز نہیں۔ قانونِ جن امور کو روکتا ہے،
 ان کے نہ کرنے میں ہمیں مذہر ہے۔“

جہاد، تین قسم ہے۔ یہ اُخرِ مرتبہ اس وقت یہاں سنانی سے خاص ہے۔ جسے آج لیڈران،
 فرض ٹھہرا رہے ہیں۔

ترہ سانی و جنانی، وہی فصلہ تعالیٰ علمائے اہلِ مُہفت و تمام اہلِ مُہفت نے کیے ہیں۔
 کر رہے ہیں۔ اور انی نشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

لیڈران، اُلٹے چلے کہ جو حرام تھا اُسے فرض بتایا۔ اور جو فرض تھا اُسے اپنے چیمپے، اپنے
 پیارے، ہندوؤں کے ساتھ حرام کیا۔

اصل یہ ہے کہ وہ گاندھی کو اپنا امام و پیشوا، ہادی و رہنما جانتے ہیں۔

..... لہذا گاندھی کے اقوال و احکام پر سر منڈا اتے اور احکامِ اسلام کو پس پشت

ڈالتے ہیں۔ اس کے مخالف اسلام اقوال کو قرآن و حدیث کا جامہ پہناتے ہیں۔

جو کچھ وہ کہتا ہے یہ کہتے ہیں۔ جو وہ کرتا ہے یہ کرتے ہیں۔

غرض ابتلاخِ حق پر مرتے ہیں۔ ورنہ کیا آج سے پہلے قرآن عظیم میں آیاتِ جہاد و فُرکِ مَوالات نہ تھیں؟ (ص ۳۹-۳۳ طُرقُ الہدیٰ و الإرشاد الی حکم الآخر و الجہاد ۱۳۳۱ھ) از مفتی اعظم مولانا اشفاق محمد مصطفیٰ رضا برکاتی نوری بریلوی۔ مطبوعہ کئی پریس بریلی۔ ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء)

..... پہلے انگریزوں کے جاں نثار تھے، اب گاندھی پر مرتے ہیں۔

اس وقت یہ حکم جہاد بھی اسی دشمنِ اسلام و مسلمین، گاندھی بدوین کا حکم ہے۔ جیسے پہلے ہجرت سے نقصان پہنچائے۔ مسلمانوں کے خانماں برباد کرائے۔ ان کی پیش بہا جانداویں اور اموال کوڑیوں میں پکوانے۔ سب کوڑے کرانے۔ غریب مسلمانوں میں اتنا روپیہ کہاں تھا؟ یوں اپنے ہندو بھائیوں کو دلولائے۔

یوں ہی یہ مسئلہ جہاد نکال کر اس نے چاہا کہ:

مسلمانوں کو جن کی روح بالکل فنا ہو چکی ہے۔ کچھ یوں ہی رمقِ باقی ہے۔ یہ بھی کیوں باقی رہ جائے؟ بالکل تباہ کرانے۔

اگرچہ بظاہر گاندھی کی پالیسی یہ نہ ہو۔ اور وہ اخبار میں یہ شائع کرتا ہوتا کہ میرا مذہب، کشت و خون کو رد نہیں رکھتا۔ مگر ادنیٰ تا مثیل سے یہ کشت و حل ہو سکتا ہے۔

غور فرمائیے! جو لوگ بے حکم گاندھی، نواز نہ توڑیں وہ بغیر اس کے مشورہ کے ایسے امرِ عظیم

کا نام کیوں کر لیتے؟

معلوم ہوا کہ ضرور اس نے ان کو یہ حکم دیا کہ:

تم جہاد چاہو پکارو۔ اور اس سے انگریزوں کو رعب کر لو۔ اور میں دوسری پالیسی سے کام لوں گا۔ عقل ہوتی تو اس معنی کو سمجھتے۔ مگر عقل تو گاندھی نے لے لی۔ سمجھے کون؟

(ص ۴۲ و ۴۱۔ طُرقُ الہدیٰ و الإرشاد۔ مطبوعہ بریلی ۱۹۲۲ء)

خلافتِ شریعہ و مَوالات و ہجرت و جہاد جیسے مسائل و مباحث پر مشتمل اس رسالہ ”طُرقُ الہدیٰ و الإرشاد الی حکم الإحارۃ و الجہاد“ میں علما۔ اہلِ سُنّت کے بیان کردہ وہی احکام تحریر کیے گئے ہیں جو ان کے نزدیک مسلم و متفق علیہ ہیں۔

اس طُرقِ الہدیٰ پر مندرجہ ذیل اکابر علما۔ اہلِ سُنّت کے تصدیق و تحفظ ہیں:

(۱) مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مآثر ہروی۔

(۲) مولانا عبدالسلام رضوی جبل پوری

(۳) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی

(۴) مولانا محمد امجد علی رضوی اعظمی

(۵) مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری

(۶) مولانا شمس علی رضوی لکھنوی ثم پبلی بھتی

(۷) مولانا حسین رضا بریلوی

(۸) مفتی محمد عمر عجمی مراد آبادی

(۹) مولانا عبد الرحمن رضوی

(۱۰) ابوسراج مولانا عبدالحق رضوی

(۱۱) مولانا محمد اسماعیل تلہری شاہجہاں پوری

(۱۲) مولانا محمد شمس علی بریلوی

(۱۳) مولانا محمد طاہر رضوی شہسرامی

مذہبی علم اور سیاسی بصیرت سے زعمائے تحریک کے عاری ہونے کا ایک نمونہ یہ بھی ہے جسے

تحریکِ خلافت و فُرکِ مَوالات کے ایک سرگرم مبلغ اور اردو صحافی مسٹر ظفر علی خاں (۱۸۷۳ء۔

۱۹۵۶ء) ایڈیٹر روزنامہ زمیندار، لاہور نے اپنے خلاف دائر ایک مقدمہ میں بیان دیتے ہوئے

کورٹ کے سامنے ہتھیار ۱۹۲۰ء کو کہا:

”میں نے ہندوستان کو دائرِ الحرب کہا ہے اور درست کہا ہے۔ ہماری مذہبی آزادی چھین لی

گئی ہے۔ اسی لئے فرزندِ ان توحید، ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کر رہے ہیں۔“

(ص ۳۷) مولانا ظفر علی خاں: حیات و خدمات و آثار۔ مؤلفہ پروفیسر غلام حسین ذوالفقار

سنگ میل پہلی پبلیشر۔ مجلسِ ترقی ادب، لاہور ۱۹۹۳ء)

روزنامہ ”پیپسدا اخبار“ لاہور نے ایک ادارہ بعنوان ”معاملہ ہجرت میں سرتاجِ ناکامی“ تحریر

کیا۔ جس کا یہ حصہ پڑھ کر قارئین کو عبرت حاصل کرنا چاہیے:

”خلافت کمیٹی کے علم برداروں نے سب سے پہلے ہجرت کا ڈنکا بجایا۔ ہزاروں سادہ

لوح، لکین ایمان کے پکے مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں فروخت کیں۔ عورتوں کو طلاق

بریلی میں قیام کے چند دن خوب گذرے۔ پھر میں صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین

مراد آبادی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) سے ملنے مراد آباد چلا گیا۔

(مراد آباد پہنچ کر ایک شب قیام کے بعد) صبح مدرسہ (اہل سنت و معرفت) جامعہ نعیمیہ

کے طویل و عریض برآمدے میں دیکھا کہ:

کئی تخت بچھے ہیں۔ مفتی اعظم، اوراد و ظائف سے فارغ ہو کر تشریف فرما ہیں۔ متوسلین

اور معتقدین موجود ہیں۔

مفتی اعظم کسی سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ کسی کو مسئلہ بتا رہے ہیں۔ اور کسی کو تعویذ لکھ کر دے

رہے ہیں۔ وعظ و نصیحت جاری ہے۔

بعد کو ایک لطیفہ بھی سننے میں آیا۔ ایک صاحب، بہت دنوں سے علیل تھے۔ کمزور ہو گئے تھے

۔ آپ نے انزال مرض کے لئے تعویذ لکھ کر دیا اور ساتھ ہی فرمایا:

پلنگ، تخت، یا کوئی بھاری چیز نہ اٹھائیے گا۔“

تعویذ دیتے وقت ان کے چہرے پر نظر پڑی تو فرمایا:

”آپ کوئی بھاری چیز کیا اٹھائیں گے؟ آپ سے تو داڑھی کا بوجھ بھی اٹھایا نہیں جاتا۔“

وہ صاحب کلین شیو (داڑھی منڈے) تھے۔

کچھ فرصت ملی تو میری طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے ملک العلماء (مولانا ظفر الدین

رضوی عظیم آبادی) کی تصنیف سرگرمیوں کا حال پوچھا۔

”صحیح لکھاری“ کی کتنی جلدیں مکمل ہوئیں؟ مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) میں طلبہ کی تعداد کیا ہے؟

مدرسین کتنے ہیں؟ وہاں فقہ کون پڑھاتا ہے؟ اساتذہ زیادہ تر کس عقیدے کے ہیں؟ مدرسے کا انتظام

کس کے ہاتھ میں ہے؟ کوئی جانکارد وقف ہے یا گورنمنٹ، اخراجات پورے کرتی ہے؟

میں نے اساتذہ کے ذکر میں بتایا کہ:

ایک استاذ، غیر مقلد ہیں۔ تین مدرسہ دیوبند کے فارغ ہیں۔ ایک، ندوہ کے تعلیم یافتہ

ہیں۔ اور دو، اہل حضرت رَضِی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگردوں اور تلامذہ و خلفاء میں ہیں۔

ایک استاد ہیں جو تفسیر پڑھاتے ہیں، تصوف سے گہرا شغف رکھتے ہیں، خاص سنی قادری

المشرب ہیں۔ دوسرے استاذ جو منطق و فلسفہ اور کلام کے ماہر ہیں۔ مولانا فاضل حق رام پوری

دی۔ چھوٹے چھوٹے بال بچوں کو روٹا پکٹا چھوڑا۔

بہتوں کی جانیں پشاور اور کابل کی سڑک پر تلف ہو گئیں۔ بعض منزل مقصود پہنچ کر جلاں

جنگ ہوئے۔ بعض واپسی پر راہ میں تباہ ہوئے۔ اکثر کار و پیہر پیسہ لوٹا گیا۔

جوج کر واپس آئے۔ ان میں سے اکثر گدگری کرنے پر مجبور ہوئے۔

اس طرح خلافت کمیٹی نے ہزاروں لاکھ مسلمانوں کی شہادت اور بربادی کا ثواب وصول کیا۔

لیا عقل و دین سے نہ کچھ کام انھوں نے

کیا دین کو برحق کو بدنام انھوں نے

(روزنامہ ”پیسہ اخبار“۔ لاہور۔ شمارہ ۸/۱۸ اپریل ۱۹۲۱ء)

اپنے احباب و متعلقین کی خبرگیری، احوال مسلمین سے باخبری اور اصلاح مسلمین کے

فریضہ سے بھی اعظم کبھی غافل نہیں رہے۔ جس کا اندازہ ایک سفر بریلی دسمبر ۱۹۳۹ء سے متعلق

پروفیسر مختار الدین احمد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ متوفی بروز شنبہ بتاریخ ۱۶/۱۱/۱۳۳۱ھ

۳۰ جون ۲۰۱۰ء) فرزند حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی خلیفہ

امام احمد رضا بریلیوی کی اس تحریر سے ہوتا ہے:

”حضرت مفتی اعظم محمد رضا نوری بریلیوی کی زیارت کا شرف مجھے بھی تین (۳)

بار حاصل ہوا ہے۔ پہلے بریلی میں، پھر مراد آباد میں اور اس کے بعد حضرت کا ساتھ مراد آباد سے

بریلی کے سفر میں ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے:

.....میں بریلی حاضر ہوا۔ حضرت چچہ الاسلام (مولانا حامد رضا بریلیوی خلف اکبر امام

احمد رضا بریلیوی) کسی دور دراز کے سفر پر تھے۔ میں مفتی اعظم کی قدم پوی کے لئے ان کی قیام

گاہ پر حاضر ہوا۔ بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ جب تک آپ تشریف

فرما رہے، آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔

مفتی اعظم بالوں سے ملتے رہے۔ ان کے کام کرتے رہے اور میری طرف بھی متوجہ رہے۔

جب میں نے اجازت چاہی تو فرمایا:

ایک دینی کام سے مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے یہاں مراد آباد جا رہا ہوں۔ دو تین

دن میں واپس آؤں گا۔ آج رات کا کھانا نہیں کھانا۔

(متوفی ۱۹۴۰ء) کے شاگرد ہیں اور مدرسہ خیر آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی خانقاہ مٹھلوا ری شریف ضلع پٹنہ سے وابستہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کے مکتوبات بنام ملک العلماء میں دوجگان کا ذکر ہے۔ اعلیٰ حضرت کی یہ خواہش تھی کہ ان کے مدرسہ فتاویٰ پر ان کے بھی دستخط اور مہر ہوں۔

مولانا محمد عمر نعیمی (م ۱۹۶۶ء) موجود تھے۔ انھوں نے پوچھا: ان کا نام کیا ہے؟

میں نے کہا: سید دیانت حسین۔ (م ۱۳۷۰ھ)

میں نے مدرسہ کے اساتذہ کے ذکر میں مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی (م شوال ۱۳۵۷ھ/ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء) کا ذکر کیا جو اعلیٰ حضرت فُتُوحِ سُبُوۃ کے قدیم تلامذہ میں ہیں۔ پہلے پہل ملک العلماء اور مولانا سید عبدالرشید صاحب کی تعلیم کے لئے مدرسہ مظهر اسلام قائم ہوا تھا۔ مفتی اعظم نے فرمایا:

وہ مجھے خوب اچھی یاد ہیں۔ میں نے کہا: وہ کبھی میرے اساتذہ میں ہیں۔

آپ نے فرمایا: ان سے میرا اسلام کہنا۔

پھر آپ نے سید شاہ غلام محمد بہاری اور سید عبدالرحمن پٹھوی کا حال پوچھا اور فرمایا:

ملک العلماء کی تشویش پر یہ اصحاب، بہار سے تحصیل علم کے لئے بریلی آئے تھے۔

میں نے کہا: میں انہیں نہیں جانتا۔ یہ اصحاب، پٹنہ میں تو یقیناً نہیں ہیں۔

پھر اساتذہ العلماء (مولانا نعیم الدین مراد آبادی) کے ایک صاحبزادے آئے۔ وہ اور مولانا محمد عمر نعیمی، مدرسہ (اہل سنت) معروف بہ جامعہ نعیمیہ مراد آبادی کے بعض مسائل پر حضرت مفتی اعظم سے گفتگو کرنے لگے۔

..... حضرت والد ماجد (ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی) کا حکم

تھا کہ اگر وہ میں مولانا مفتی عبدالغنی صاحب (م ۱۹۵۸ء) سے ضرور ملنا۔ وہ شاہی مسجد آگرہ میں امام مفتی تھے۔ ان سے وہیں جا کر ملا۔

مفتی صاحب، یہ سن کر کہ ملک العلماء نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے دعائیں لینے کی تاکید کی تھی، بہت خوش ہوئے۔ حضرت کی صحت اور ان کے علمی مشاغل کا حال پوچھتے رہے۔ اس رات اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔ محلہ اور گھر کا نقشہ، کاغذ پر بنا کر محل وقوع

سمجھایا۔ اور وقت پر آنے کی تاکید کی۔ کیوں کہ انھیں کھانے کے بعد کہیں تفریر کرنے جانا تھا۔

ان کے یہاں پہنچا تو ان کے ولید محترم حضرت مولانا عبدالجبار آٹو لوی (م ۱۹۴۳ء) کی

زیارت کا بھی اتفاق ہوا۔ وہ دیر اور خوبصورت آدمی تھے۔ ان کی گفتگو میں بڑی لطافت اور حلاوت

تھی۔ ملک العلماء ان کا احترام کرتے تھے۔ کسی واسطے سے وہ تاج الخول حضرت مولانا شاہ

عبدالقادر دہلوی فُتُوحِ سُبُوۃ (م ۱۳۱۹ھ) کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ انھیں ملک العلماء نے سید

شاہ جمید الدین (م ۱۳۶۳ھ) سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ کن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ (م

۱۲۰۳ھ) کی خانقاہ کے جلسہ رجبی شریف کی تقریب میں ایک سال مدعو کیا تھا۔ آپ تشریف

لائے اور اپنے موعظہ حسنہ سے اہل عظیم آباد کو خوب مستفید فرمایا۔" (ص ۱۰۹۳ تا

۱۰۹۵۔ جہاں مفتی اعظم رضا اکیڈمی، ممبئی ۲۰۰۷ء)

مفتی اعظم، دینی بصیرت و استقامت اور صلاحیت و حق گوئی کا پیکر تھے۔ سنگین اور نازک

ترین حالات میں بھی آپ کے قدم کبھی جاوہ شریعت سے نہیں ڈگلائے۔ آپ نے ہر حال میں

وہی کہا اور وہی لکھا جو شریعت اسلامی و فقہ اسلامی کا حکم تھا۔ مثلاً

مسجد شہید گنج، لاہور کا حادثہ پورے متحدہ ہندوستان کے لئے زلزلہ خیز تھا۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء

میں یہ مسجد ظلم و جبر شہید کردی گئی تھی۔ مسلمانان متحدہ ہندوستان کا غم و غصہ شباب پر تھا۔

اسی سلسلے میں ایک استغناء کے جواب میں مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

”لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد۔ جو مسجد ہے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے۔ اس

کی مسجد بیت باطل نہیں ہو سکتی۔

سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی اور نے۔ وہ مسجد جیسے شہید ہونے سے پہلے تھی۔ یوں ہی اب

ہی اور قیامت تک مسجد رہے گی۔

عماذ اللہ کافروں کے قبضے میں مسجد آجانے سے کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی۔

کعبہ، برسہا برس قبضہ سقار میں رہا۔ جس کے گرد گرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ (۳۶۰)

بت رکھے۔ ہر دان ایک نئے بت پوجا کرتے۔ اس قبضہ سے کعبہ، غیر کعبہ نہیں ہو گیا۔

وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبل، بت خانہ نہیں بن گیا۔ وہ جیسا خاصاً

لوحہ اللہ تعالیٰ برائے بت و طاعت الہی پہلے تھا یوں ہی جب رہا یوں ہی اب ہے۔ یوں ہی

لہذا الہ آباد تک رہے گا۔
 اسی طرح مسجد کا وہ قطعہ طائرہ جو خاصاً لوجہ اللہ تعالیٰ برائے طاعت و قربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا جیسا جب تھا ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اب ہے۔
 اصل مسجد تو موضع صلوة ہے۔ عمارت ہو یا نہ ہو۔ جو جگہ مسجد ہو گئی مسجد ہی رہے گی۔ الا عند محمد فی بعض الصور۔ وھذہ لیست منها۔“
 (ص ۴۴۲ و ۴۴۵۔ فتاویٰ مصطفویہ از مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)
 قدیم کتب فقہ کے حوالے سے اس موقف کو مکمل دھڑکنے کے بعد بھی اعظمی مقرر طرز ہیں:
 ”ان عبارات سے آفتاب نصف اشعار کی طرح واضح و آشکار ہوا کہ:
 مسجد شہید گنج، مسجد ہی ہے۔
 بسنتی (آبادی) کے مسلمان اسے تو وہ ہے، کسی ایسی مسجد کو جو بوجہ قدامت، پوشیدہ و خراب ہو چکی ہوئی۔ جس سے استغنا ہو گیا ہوتا۔ غیر آباد ہو گئی ہوئی۔ ویرانہ میں پڑ گئی ہوئی۔ ایسی مسجد کو بھی فروخت نہیں کر سکتے۔
 مسجد شہید گنج (لاہور) کو مسلمان، سکھوں یا کسی کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تو بھی وہ بیع نہ ہوتی تھی۔
 وہ ہزار بار بار فروخت کی جائے تو بھی وقف ہی ہے۔ رع ہزار بار جو یوسف پیکے، غلام نہیں
 مساجد، بیوٹ اللہ ہیں۔ اللہ کے دین کا عظیم عظیم ہیں۔ اور کسی عمارت دین کی ادنیٰ ہتک، ہرگز مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔
 بے شک بے شک عمارت دین پر حملہ ہے۔ مسلمانوں کی ذاتی ہی عزت پر حملہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی عزت پر بھی۔ جس پر مسلمان، اپنی عزت و آبرو، اپنی جان و مال، تین من و دھن سب کچھ قربان کر دینے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں۔ اور جو بن پڑے اور جس کی، ان کا دین و مذہب اجازت دے، وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے ہیں۔
 مسجد شہید گنج (لاہور) یقیناً عمارت دین ہے۔ مسجد کی حیانت و حفاظت، فرض مبین ہے۔

جہاں تک جس جائز طریقے سے ہو، کرنا ناگزیر ہے۔“ الخ
 (ص ۴۴۲ و ۴۴۵۔ فتاویٰ مصطفویہ اعظمی اعظم ہند۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)
 بچے پور (راج پوتانہ) سے ایک مسجد کے بارے میں استغنا آیا کہ ایک مسجد کے دروازہ کی توسیع کے سلسلے میں فائرنگ ہو گئی۔ اور تازہ ہو گیا۔
 راج بچے پور اس مسجد کے بدلے میں وسیع و عریض زمین مع ایک لاکھ روپیہ دے کر نئی مسجد تعمیر کرانا چاہتے ہیں تو کیا اس صورت میں مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟
 یہ استغنا ۲۲ خرم ۱۳۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے جواب میں مفتی اعظم نے فتویٰ تحریر فرمایا:
 ”جو مسجد ہو چکی تا قیام قیامت وہ مسجد ہی رہے گی۔ مسجد، بیع ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں۔ نہ چند یا ساری دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے، بدل لینے سے وہ مسجد، مسجد ہونے سے نکل سکے۔ ایک لاکھ نہیں اگر راج اپنی ساری ریاست دے دے اور مسجد نہیں، مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے، ہرگز مسلمانوں کو اس کا اختیار نہیں۔
 جو اس پر راضی ہوں گے، اشد گنہگار ہوں گے۔ بیچنے خریدنے والے سب ظالم پنہا کار ٹھہریں گے۔ نہ مسجد کی تعمیر، نہ مسلمانوں کے، کسی کے لئے صحیح و درست۔
 ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ
 غیر مسلم، مسلمانوں کو روپیہ دے دے۔ مسلمان اس روپیہ کا مالک ہو کر مسجد بنائے۔ یا غیر مسلم کسی زمین پر عمارت بنا کر مسلمانوں کو دے دے، مسلمان اس پر قابض ہو کر اس کے مالک ہو کر اسے وقف کر دیں۔ ان دونوں صورتوں میں وہ مسجد ہو جائے گی۔
 اس صورت میں کہ غیر مسلم مسجد بنائے اور اسے اپنی ملک پر باقی رکھے۔ یا خود وقف کرے وہ مسجد نہ ہوگی۔
 نماز اس میں ہو جائے گی۔ مگر مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ نہ اس کے لئے احکام مسجد ثابت ہوں گے۔ اگر مسجد جامع کی بجائے دوسری مسجد بنا کر مسلمانوں کو دے دینے کا خیال ہے کہ مسلمان اس پر قابض ہو کر اسے وقف کریں اور اسے مسجد جامع کر لیں اور جو مسجد اب تک جامع تھی اسے جامع نہ رکھیں مگر وہ مسجد رہے، صرف جامع نہ رہے۔ بجائے اس کے، مسجد جامع یہی مسجد کی جائے تو یہ کر سکتے ہیں۔

مطلب غابری یہی ہے کہ دوسری کوئی کہ پہلی کو مسجد ہی نہ رکھا جائے۔
یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پر جو راضی ہو گا وہ عذاب الیم اور شدید وبال و نکال اپنے سر لے گا۔
وہ مسجد ابداً تک مسجد ہی رہے گی۔

مسجد، خاص ملک الہی ہے۔ جسے نہ کوئی بیچ سکتا ہے، نہ بدل سکتا ہے۔ آباد معمول مسجد تو آباد و معمور ہے جو مسجد غیر آباد ہو گئی ہو۔ خرابہ میں پڑ گئی ہو۔ بہت خستہ، بالکل شکستہ ہو چکی ہو۔ وہاں اس کے ارد گرد آبادی بھی نہ رہی ہو، پرانہ میں آگئی ہو۔ لوگ اس سے مستغنی ہو چکے ہوں۔ ایسی مسجد کو بھی نہیں بچا جاسکتا۔ بلکہ اس کے لمبہ کٹری، تختہ، اینٹ، پتھر کو دوسری مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا۔ (ص ۲۶ تا ۳۹۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

۱۹ تا ۲۷ء کا دور اخیر جنسی، ہندوستان کے لئے بڑا صبر آزماء اور حوصلہ شکن تھا۔ نسہدی کے چھری نفاذ کا حکم، ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک کے لئے بڑا ہی پُر آشوب اور اعصاب شکن تھا۔ بالخصوص مسلمانان ہند کی مذہبی آرائش کا دور تھا۔ ایسے عالم رستائیاں میں بریلی سے ایک آواز ابھری اور ہر طرف وہ آواز گونج گئی۔ زبانی بھی اور تحریری بھی کہ:

نس بندی حرام ہے۔ حرام ہے۔ حرام ہے۔

اس وقت نسہدی کے خلاف کوئی تبصرہ کرنا بھی جرم تھا۔ چہ جائے کہ کوئی فتویٰ جاری کیا جائے۔ مگر ایسا ہوا اور سائیکل و اسٹائل کے ذریعہ اسے بڑی تعداد میں لوگوں تک پہنچا دیا گیا۔ انتظامیہ اپنی کارروائی کے لئے حرکت میں آئی مگر تحقیق حال کے بعد اسے بے حس و حرکت ہونا پڑا کہ مفتی اعظم کے خلاف کوئی اقدام، ملک بھر کے لئے ایک سنگین مسئلہ بن جائے گا اور سیکڑوں مقامات پر مسلمانان ہند احتجاج و مظاہرہ کرتے ہوئے سڑکوں پر آجائیں گے۔

استفتا اور فتویٰ دونوں ذیل میں ملا حظہ فرمائیں:

مسئلہ:- از مرزا متا ربیک رضوی۔ چھتر پور (ایم۔ پی)

سیدی و مرشدی و مولائی حضور مفتی اعظم ہند کا ماثت بَر کَاتھُمُ الْقُدْسِیَّہ۔

الْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ۔

کیا فرماتے ہیں علما۔ دین!

خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کے متعلق۔ نسہدی کے آپریشن کرانے والے کے بارے میں (عورتوں اور مردوں کے متعلق)

کیوں کہ آج کل گورنمنٹ کی طرف سے ایسے احکام آئے ہیں کہ نسہدی کا آپریشن نہ کرانے والے کو کوئی ملازم کو ملازمت نہ ترقی نہ دی جائے گی۔ (و غیرہ وغیرہ)
عین نوازش ہوگی۔ حضور بذات خود تکلیف گوارہ کر کے اس مسئلہ کو حل کر کے روانہ فرمائیں کیوں کہ میں گورنمنٹی ملازم ہوں۔ اور گورنمنٹ کو اس کا جواب دینا ہے۔

فتویٰ قرآن وحدیث سے مدلل ہونا چاہیے۔

الجواب:- بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب۔

ضبط تولید کے لئے مرد کی نسہدی یا عورت کا آپریشن، متعدد وجوہ سے شرعاً ناجائز و حرام ہے۔ اس میں اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا ہے۔ جو قرآن وحدیث کی نص سے ناجائز و حرام ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: **وَلَا تَحْمِلُوْهُمْ قَلْبَعِیْنِ خَلْقِ اللّٰهِ**۔

یعنی شیطان بولا: میں ان کو بہکاؤں گا تو وہ اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو بدل لیں گے۔

تفسیر صادی میں ہے: **فَمَنْ ذَا الَّذِکَ تَغْیِیْرُ الْجِسْمِ**۔ اور اس میں سے ہے جسم کی تغیر۔

اور تفسیر کبیر میں ہے: **اِنَّ مَعْنٰی تَغْیِیْرِ خَلْقِ اللّٰهِ هَلْهٰنَا هُوَ الْاِحْصَاءُ**۔ (یعنی اس آیت میں تغیر خلق کا معنی کسی کرنا وغیرہ ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے: **لَعَنَ اللّٰهُ الْمُغْیِرَاتِ خَلْقًا مَلَخَّصًا**۔

یعنی اللہ کی سنت ان عورتوں پر جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز (جسم کی قدرتی بناوٹ) کو بدلنے والی ہیں۔

نیز اس میں ہے وجہ شرعی ایک نس اور عضو کا نا جاتا ہے۔ وہ بھی ایسی نس ایسا عضو جو

توالد و تناسل کا ذریعہ ہے۔

اور بے ضرورت شرعی دوسرے کے سامنے ستر، وہ بھی ستر غلیظ کھولا جاتا ہے۔ اور وہ اس کو

چھوتا بھی ہے۔ اور یہ تینوں امور حرام ہیں۔ گمافی کتب الفقہ۔

اور یہ قاطع توالد ہوئے کے سبب معنی خصا میں داخل ہے۔ اور انسان کا خصی ہونا اور کرنا بھی

بیش قرآن وحدیث حرام ہے۔ جیسا کہ آیت وحدیث سے اور گذرا۔

نیز حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

خطر ہو کر دوبارہ اپنے سابقہ دین کی طرف واپس پلٹ جائے۔ اس لئے تحریک کے ذمہ داروں نے فی مرتد کچھ روپے دینے کی پیش کش کر کے اس روپیہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

(۵) نسلی تعصب کو ہوا دینا۔

(۶) اسلام کے بارے میں جھوٹے اور مبنی گڑبھت قصوں کی اشاعت کرنا۔

(۷) حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کر کے ناکانہ راج پوتوں کو مشتعل اور برگشتہ کرنا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے مذموم عزائم سے اول روز ہی سے باخبر ہو چکے تھے اور اس کی کامیابی کی صورت میں مرثیت ہونے والے نتائج و مضمرات کا انھوں نے پوری طرح اندازہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مقابلے کے لئے کمر ہمت باندھ لی اور کوئی تاخیر کیے بغیر ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ان اسباب و علل کا بے نظر غائر مطالعہ کیا جن سے ہمت پاکر آریہ سماج نے مسلم راج پوتوں کو فتنہ ارتداد کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔

حضرت مفتی اعظم کے سروے کے مطابق وہ اہم عوامل ہندو جہذیل ہیں:

(۱) راج پوت، سکندروں برہمن، پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہونے مگر وہ اپنی شعور آگاہی سے

محروم ہونے کی وجہ سے ان کے نام بہتر معاشرت، اور تمدنی معاملات، مسلمانوں جیسے نہیں تھے۔

(۲) ان میں نسلی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس لئے وہ عام مسلمانوں کے مقابلے

میں اپنے ہم قوم ہندوؤں کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

(۳) اپنی نسل کو خاص رکھنے کے لئے شاوی بیواہ کا شنیہ اپنی ہی نسل کے راجپوتوں میں کرتے تھے۔

(۴) راج پوتوں میں مفلسی اور بے روزگاری عام تھی۔

آریہ سماج نے ان اسباب و عوامل میں سب سے زیادہ توجہ نسلی تعصب اور غربت و افلاس پر مرکوز کی۔ کیوں کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر شخص کو اپنے آباؤ اجداد سے یک گونہ لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لئے مسلم راج پوتوں کے دلوں میں تسلسل کے ساتھ یہ احساس زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کی کوشش کی گئی کہ ان کے اسلاف، ہندو اور ہندو مذہب کے پیروکار تھے۔ لہذا پھر انہیں اسی مذہم کو اختیار کر لینا چاہیے جن سے ان کے آباؤ اجداد وابستہ تھے۔

دوسری جانب، اسلامی عقائد کو اور اسلامی نظام حیات سے راج پوتوں کی ناواقفیت نے آریہ سماج

کے مبلغین کے لئے شراب و آئینہ کا کام کیا۔ اور ان کے مشن کو آسان بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ غربت کی ضرب بھی کبھی کبھی انسان کو ایسے فیلے کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جن کے لئے اس کا دل بالکل تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اس نفسیاتی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے غریب و نادار راجپوتوں کو اپنے دام کفر و شرک میں پھنسانے کے لئے مال و زر کا لالچ دیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم نے آریوں کے سبھی طریقہ کار کے مقابلے اور مذکورہ بالا عوامل کے سنبھالنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

(۱) مسلم راجپوتوں کے علاقوں میں دینی مدارس قائم کیے جن میں مفت دینی تعلیم کا انتظام کیا۔ مدرسین کی تنخواہوں اور طالبان علوم نبوی کے لئے بے معاوضہ کتابوں کی فراہمی

کا جماعت رضا مصطفیٰ بریلی، کوڈنڈہ دار بنایا۔

(۲) تحریک صلوة چلائی جس کے بے حد خوش گوار اثرات مرتب ہوئے۔ کیوں کہ

مجموعہ حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا مزہ، ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب جمین انسانیت ایک

بارہی صحیح معنی میں لذت آشنائے سجدہ ہو جائے تو کیا مجال کہ شرک و کفر کی تیز و تند آندھی بھی اس

کے پائے ثبات و استقلال میں کوئی تزلزل پیدا کر سکے۔

(۳) اجتماعات منعقد کر کے اسلام کے خلاف زہر افشانی اور دشنام طرازی کا معقول اور دندان شکن جواب دیا گیا۔

(۴) اسلام کی صداقت و حقانیت کے اظہار و اثبات کے لئے آریائی مبلغین کو مناظروں

کے چیلنج دیے گئے۔ مگر وہ اہل اسلام سے مقابلہ و مناظرہ کی جرأت نہیں کرتے تھے جس سے مسلم

راجپوتوں پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے۔

(۵) نسلی تعصبیت کے عفریت کا سرکپنے اور اسلامی اخوت و وحدت کی حسین و دل آویز

لوری میں مسلم راج پوتوں کو پروانے کے لئے ضرورت کے مطابق فوری و روانہ کیے۔ جنھوں نے

اسلامی اخوت و محبت کے پیغام جاں نواز سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

انھوں نے بتایا کہ اسلام ایسا عظیم مذہب ہے جو رنگ و نسل یا ملک و قوم کی بنیاد پر کسی تفریق

کو برداشت نہیں کرتا۔

انھیں باور کرایا گیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو نہ صرف مساوات انسانی کا حامی و مؤید

ہے بلکہ اس کے پیر و کاروں نے عملی طور پر قندیل مساوات روشن کر کے دوسری اقوام کو بھی نعرہ مساوات بلند کرنے والی زبان عطا کی ہے۔

(۶) انھوں نے مسلم راج یوتوں کو آمادہ کیا کہ وہ حق و باطل کے درمیان خطا اختیار نہ کرنے کے لئے دونوں مذاہب کا تقابلی مطالعہ کریں۔

(۷) دارالمسلمین راج یوتوں کو اسلامی وضع قطع کا پابند بنانے کے لئے مفت لباس فراہم کیا گیا۔

حضرت مفتی اعظم کی قیادت میں چلنے والی اس مہم اور تحریک تحفظ ایمان و اسلام نے لاکھوں مسلمانوں کو مذہب اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا حوصلہ بخشا۔ اور ہندو مذہب میں داخل ہو جانے والے بے شمار لوگوں کو دوبارہ کلیر ڈا اسلام میں لانے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ اُلخ

(ص ۲۹۹ تا ۳۰۱)۔ جہان مفتی اعظم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی۔ ۲۰۰۷ء

حضرت مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی رقم طراز ہیں:

”بیسویں صدی کے تیسری دہائی میں فتنہ ارتداد اپنی پوری قوت کے ساتھ تمام ملامی مسائل سے رخ ہو کر اسلام پر حملہ آور ہوا۔

ہندوؤں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان، اصلاً ہندو ہیں۔

مغلوں نے انھیں بڑا دشمن مسلمان کیا تھا۔ اب مغل ختم ہو چکے ہیں اس لئے ان کو اپنے آبائی

دین کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ اگر وہ مقررہ دین کے ہزاروں مسلمان، ہندو بن گئے۔

انھوں نے معاذ اللہ دائرہ مٹا دیں اور سر پر چوٹیاں رکھنے لگے۔

اس فتنہ ارتداد کو ہندوؤں کے پنڈت، سرمایہ دار اور راجاؤں کا ہر طرح سے تعاون حاصل

تھا۔ ان کا ارادہ منصوبہ تھا کہ چند سالوں میں مسلمانان ہند، ہندو بن جائیں گے۔ اور اس طرح

ان کے اُکھنڈ بھارت اور رام راجیہ کا دیرینہ خواب پورا ہو جائے گا۔

ہندو ساہوکاروں نے اپنی تجویزوں کے منہ کھول دیے اور غریب مسلمانوں کو دولت کی لالچ

دے کر ہندو بنانے لگے۔ اور جن حالات میں مسلمان، ہندو بننے کے لئے تیار نہیں ہوئے اُن

پر مظلوم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔

درپردہ اس میں حکومت وقت بھی ملوث تھی۔ جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ:

اس طرح سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کھوٹ ڈال کر تحریک آزادی کا راستہ بھی

روکا جاسکے گا اور مسلمانوں کی متحدہ قوت کو بھی کمزور کیا جاسکے گا۔“ (ص ۲۷۲)۔ جہان مفتی اعظم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی

اس مضمون کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے:

”سرکار مفتی اعظم ہند کی شخصیت، جملہ علمائے اہل سنت اور جملہ مشائخ سلاسل طریقت

کے لئے مرجع فتاویٰ اور یم قائد کی حیثیت رکھتی تھی۔

ان کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنا علمائے مشائخ و ملت اسلامیہ کا معمول تھا۔ وہ ایک

عظیم ولی، عظیم قائد، عظیم جلیل اور مرجع فتاویٰ تھے۔

ان کی زندگی، ہر دور کے مسلمانوں کے لئے بینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔“

(ص ۲۷۵)۔ جہان مفتی اعظم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی

حضرت مولانا محمد احمد قادری رفاقی مظفر پوری، سرفراز وزیر تشریف ۱۹۷۵ء

کے دوران، جرمن طبیب کے اندر حضرت مفتی اعظم ہند سے اپنی ملاقاتوں کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”استاذ مکرم و محترم، استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز خاں صاحب نعیمی اشرافی

فتح پوری، حضرت صدر الافاضل (مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی) علیہ الرحمۃ کے خاص

الخاص تلمیذ ارشد تھے۔ علاوہ علوم اسلامیہ میں تبحر کے، شہسوار اور دیوؤں کے بالغ نظر فاضل

تھے۔ فتنہ عظیمہ ”فتنہ ارتداد“ راج پوتانہ کے خلاف تحفظ و دفاع اسلام میں سرگرم حصہ لے چکے

تھے۔ جامعہ نعیمیہ، مراد آباد کے ”گروکل“ میں اسلامی مبلغین، انھیں کی نگرانی میں ویدک علوم

کا تقابلی مطالعہ کرتے تھے۔

حضرت استاذ العلماء فتح پوری، اپنی دینی و علمی مجالس میں ”شہدھی فتنہ“ کی فتنہ سامانی کی تقاضیل

بیان فرماتے تو ان پر وقت طاری ہو جاتی اور سننے والے بھی شہدیت تاثر میں اشک بار ہو جاتے۔

لو کے تھپڑوں میں، مٹی اور جون (۱۹۲۳ء) کے مہینوں میں، گرد آلود راہوں میں چلنا، وہ

بھی میل میل نہیں، دس دس، پندرہ پندرہ میل کا تبلیغی سفر کرتے۔ بڑے رومال کے گوشے میں

بٹھنے ہوئے چنے بندھے ہوتے۔ کسی درخت کی چھانوں میں بیٹھ کر پینے اور گلوکھا کر پانی

پیا، پھر چل کھڑے ہوتے۔

.....! استاذ معظم، استاذ العلماء فتح پوری کی وہ باتیں یہاں کم کم مکتبہ میں یاد آئیں۔ بندہ

یہ پنڈت ہناظرے پر آمادہ نہیں۔ تم لوگ ہماری بات نہیں مانتے تو تم سب لوگ اس پنڈت سے کہو کہ میرے ساتھ اپنی جلائی ہوئی آگ میں کودو۔ جو آگ سے زندہ بچ کر نکل آئے، لوگ اس کا دین قبول کر لو۔“

حضرت شیر پیدہ اہل سنت نے پوری گھن گرج کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند کا یہ ارشاد ان دہیاتوں تک پہنچا دیا۔

اس کے بعد حضرت مفتی اعظم آگے بڑھ کر اس ایڈر (سوامی شردھانند) کے تحت پرچہ گئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: چل! ہم دونوں اس آگ میں کودیں۔“

بہت حق سے وہ تھر تھر کا پینے لگا۔ اور نہ موت دم بخود رہ گیا۔ مفتی اعظم ہند نے جوش میں آکر اسے گھسیٹنا شروع کیا۔ مگر وہ بہت موٹا تھا۔ اس سے مس نہ ہوا۔ کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا۔

گانے والے، گانا بھول گئے، جلوہ گویوں نے پوریاں چھانی چھوڑ دیں۔ سارا مجمع، ساکت و جلمہ دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس مجمع میں جو گھگھیا و چودھری وغیرہ قسم کے تھے، تخت کے قریب آئے اور کہا: مولوی جی! اسے چھوڑ دو۔ اب ہماری سمجھ میں آگیا کہ تمہارا مذہب حق ہے اور اس کا دھرم باطل۔ ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہیں ڈرتا۔“

اس کے بعد سب نے مفتی اعظم ہند کے ہاتھ پر توبہ کی۔ کلمہ پڑھا اور سچے یکے مسلمان ہو گئے۔“ (ص ۷۹ تا ص ۲۸۱۔ انوار مفتی اعظم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ طبع اول ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء) تحریکی و تنظیمی امور کی جانب بھی مفتی اعظم ہند کی توجہ تھی۔ چنانچہ آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس ۱۹۴۶ء میں آپ نے نمایاں اور مرکزی کردار ادا کیا۔

۲۴ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ/ ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کی اس تاریخی کانفرنس میں متحدہ ہندوستان کے ہزاروں علما و مشائخ اور لاکھوں خواص و عوام کی شرکت تھی۔ اس دور کی ملّی سیاست میں اس کانفرنس نے بڑا گہرا اثر ڈالا اور تاریخی حیثیت سے متحدہ ہندوستان کی نمایاں ترین و موثر ترین کانفرنسوں میں اس بنارس کانفرنس ۱۹۴۶ء کا شمار ہوتا ہے۔

دسمبر ۱۹۶۱ء میں دہلی کے اندر ہونے والی ”سنّتی اوقاف کانفرنس“ کو بھی حضور مفتی اعظم ہند کی

سرپرستی حاصل تھی۔ یہ کانفرنس علامہ ارشد القادری و مولانا سید مظفر حسین کچھوچھو و مولانا سید اسرار الحق و مفتی غلام محمد رضوی وغیرہ کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں ہوئی اور تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد اوقاف کے تحفظ نیز مسلم حقوق کے تحفظ کی راہیں اسی کانفرنس کے ذریعہ ہموار ہوئیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد (سابق ڈین۔ فیکلٹی آف آرٹس۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنے والد مکتوم ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی عظیم آبادی (متوفی شنب دوشنبہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء) خلیفہ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کے نام حضرت مفتی اعظم ہند کے انیس (۱۹) خطوط کی نقل اپنے ایک مضمون میں پیش کی ہے جس میں ۷۷ تاریخ الاول ۱۳۷۱ھ/ ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء کا ذکر یہ خط نہایت اہم ہے جو آزادی ہند کے بعد ہونے والے پہلے ایکشن سے متعلق ہے۔

جناب محترم! اِسْلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ۔ ایکشن قریب آ رہا ہے۔ اس نازک دور میں یہ ایکشن جیسا کہ ہے، آپ خوب جانتے ہیں۔ یہاں اہم و اشد ضرورت ہے کہ:

ہم سب مل کر اس کے متعلق غور و فکر کریں اور کوئی لائحہ عمل تیار کریں۔ جس سے مسلمان باذنبہ تعالیٰ ہر فتنہ سے بچ سکیں اور دینی و دنیوی نقصانات سے محفوظ رہیں۔“

۲۹ دسمبر ۱۹۵۱ء بینک میں بریلی میں رہوں گا۔ اس سے پہلے پہلے یہ اجتماع ہونا ضروری ہے۔ اس لئے التماس ہے کہ آپ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۵۱ء بروز یک شنبہ بوقت گیارہ بجے دن، بریلی محلہ سودا گران فقیر خانہ پر تشریف لاکر اس ضروری امر کے اجتماع میں شریک ہوں۔

اگر خدا نخواستہ آپ نہ آسکیں تو اپنی رائے سے ۲۴ دسمبر ۱۹۵۱ء بینک مطلع فرمادیں۔

(۱) ووٹ، آپ کی رائے میں ان جماعتوں میں سے کس جماعت کے آدمی کو دیا جائے؟

(۲) یا کسی کو نہ دیا جائے؟

(۳) ووٹ کیسے کو دیا جائے۔ دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی؟

ان سوالوں کا مفصل جواب لکھیے۔ محض مختصر رائے ہی نہ ہو۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری عُفُو کَلَّہُ محلہ سودا گران۔ بریلی

دسمبر ۱۹۷۲ء میں بمبئی کے اندر کل ہند ناسندہ مسلم پرسنل لاکنوش کا انعقاد ہوا جس میں حضور مفتی اعظم کے حکم سے برہان ملت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے شرکت فرمائی۔ جس کا ذکر برہان ملت نے اپنے تفصیلی مضمون میں کیا۔

برہان ملت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نے مسلم پرسنل لاکنوش، بمبئی دسمبر ۱۹۷۲ء میں اپنی شرکت سے متعلق جو مضمون تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب سے پہلے ”مفتی اعظم نمبر ۴“ مستقامت ڈائجسٹ، کان پور شمارہ نمبر ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔

برہان ملت کے فرزند مولانا محمود میاں کی بالا گھاٹ (مدھیہ پردیش) میں مفتی اعظم سے ملاقات و گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے برہان ملت تحریر فرماتے ہیں:

”حضور نے سارے معروضات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

برہان میاں سے جا کر کہو کہ ہرگز ہرگز اس جلسے میں شرکت سے انکار نہ کریں۔ اور چوں کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھیں کا احتجاج اور اقدام ہے اور احتجاج بھی ایک باقوت احتجاج ہے اس لئے انھیں اپنا کام جاری رکھنا اور اسے بڑھانا ہے۔

مخلوط اجتماع اور غیروں کے زیر اہتمام و صدارت یہ جلسہ ہونے کے باعث انھوں نے جو معذرت کی ہے اور شرکت سے استرازا فرمایا ہے اسے ٹوک فرمادیں اور ضرور ضرور شرکت فرمائیں۔“

ادھر ممبئی سے داعیان جلسہ برابر اسلامات و فون سے مجھ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے کہ میں ضرور ضرور ہر حالت میں شرکت کروں۔

جب فقیر زادہ محمد میاں نے بالا گھاٹ سے آکر مجھے حضرت کا پیغام سنایا تو میں نے حضرت اقدس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے ارشاد پر شرکت کا ارادہ کر لیا۔

جلسے میں شرکت کے لئے میں بمبئی پہنچا مگر سہین جلسہ کا مہمان نہ ہوا اور اپنے ایک برادر طریقت خیل احمد صاحب کے یہاں میں نے قیام کیا۔ جلسے میں زبردست اجتماع تھا۔ تقریباً دو لاکھ کا مجمع تھا۔ الخ

(ص ۲۱۹) جہان مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

مسلم پرسنل لاکنوش، بمبئی دسمبر ۱۹۷۲ء میں اپنی شرکت اور تقریر وغیرہ کی بعض تفصیلات لکھنے کے بعد حضرت برہان ملت تحریر فرماتے ہیں:

”حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی تو انھوں نے میری کامیابی پر دعائے کلمات کے ساتھ مبارک بات تحریر فرمایا کروالا نامہ سے نوازا۔

جب میں بریلی شریف حاضر ہوا تو حضور مفتی اعظم نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر تم شریک جلسہ نہ ہوتے اور اظہار حق و اعلان حق نہ کیا ہوتا تو بڑی کمی رہ جاتی۔

تم نے اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی اس کی تائید میں یہ جلسہ بڑا کامیاب رہا۔

اور یہ جلسہ تمہاری شرکت سے تمہارا جلسہ ہو گیا۔ قَالَ خُذْ عَلَيَّ إِحْسَانَهُ وَنَوَالَهُ وَأَفْضَالَهُ۔ (ص ۲۲۰)۔ بقلم مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری۔ مطبوعہ۔ جہان مفتی اعظم

۔ رضا اکیڈمی، بمبئی ۷۰۰۷۰ء)

سیدی مرشدی حضور مفتی اعظم نے دینی و علمی و دعوتی و اصلاحی ہر پہلو سے نمایاں ترین خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی اکابر و سلافاہ اہل سنت کی پاکیزہ حیات کا روشن نمونہ تھی۔ آپ کے مریدین و مستشرقین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ آپ کا وصال ۱۴۲۲ھ ۱۴۰۲ء کو ہوا۔

نماز جنازہ میں تائبہ نظر آدمی ہی آدمی تھے۔ مجمع، شدت غم سے بڑھ چکا تھا۔ تعداد شرکت کا صحیح طور پر بتانا مشکل ہے۔

راقم سطور کو کبھی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے مرقداطہر پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

آمین! بجاء حبیبک سید المرسلین علیہ وآلہ و اٰصلہ الصلوٰۃ والسلام۔